حضرت

ابوذر غفاریؓ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق
زار اور معاشی عدل کے علمبردار صحابی کی
محققانہ سوانح اور پر کیف حالات۔

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

ناشر

مکتبہ ندویہ

۲۰۱۶ء مطابق ۱۴۳۷ھ

نام کتاب	:	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
نام مصنف	:	حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
کمپوزنگ	:	عبدالرحیم ندوی 8726305094
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
صفحات	:	۲۰۰
قیمت	:	۷۰/روپے

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ ندویہ
۲۔ مکتبہ رحیمیہ دیوبند
۳۔ بک امپوریم سبزی باغ پٹنہ

فہرست

مکتوب حضرت تھانویؒ

بنام مصنف

مولانا سید الکاتبین احسن اللہ مناظرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احقر افقر نے شعبان المعظم ۳۶ھ کے رسالہ القاسم کے صفحات میں آپ کا ایک بدیع مضمون بعنوان حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ پڑھا، میں اس سے زیادہ کیا عرض کروں کہ اگر مجھ کو رسالہ تکشف کے زمانہ میں ملتا تو نہایت قدر و شکر گذاری کے ساتھ کم از کم اس کے اقتباس کو اس رسالہ کا جزو بناتا، اب بھی ہر ایسے شخص کو جو تکشف کو مکرر چھپوائے اور اس کی نظر سے یہ سطریں گذریں ہوں، وصیت کرتا ہوں کہ اس مضمون کو بعنوان ضمیمہ میرے رسالہ مذکورہ کے آخر میں ملحق کردے، ان روایات کو جس مسئلہ کا ماخذ بنایا گیا ہے۔ نہایت اہم مسئلہ ہے اور ماخذ بھی صریح وصحیح ماخذ ہے، مجھ کو جو کچھ اس سے مسرت ہوئی ہے بیان نہیں کرسکتا۔ کاتب سلمہ اگر محقق فن ہونے کے وصف سے متصف ہوچکے ہیں، تب تو یہ مضمون دلیل ہے ان کی محققیت متحققہ کی ورنہ ان کی محققیت متوقعہ کی ضرور دلیل ہے۔ "فهنيئا لهم ثم هنيئا لهم" ۔

اور متن سے کم مسرت افزا نہیں ہوا وہ حاشیہ جو صفحہ ۱۱ سطر اول پر حضرت استاذ علیہ الرحمہ کے متعلق ہے، آپ نے باوجود حضرت علیہ الرحمۃ کی زیارت نہ کرنے کے یہ حاشیہ ایسا لکھ دیا

ہے کہ اگر کوئی فہیم شخص عمر بھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتا وہ حضرت کی مجموعی حالات کا اس سے اوضح اور اصح فیصلہ نہ لکھ سکتا تھا، "فهنيئا لكم مرة أخرى".

چونکہ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی نسبت اس رائے کی تجویز کرنے کی تائید میں ایک آدھ واقعہ معتبر ذرائع سے میرے کان میں پہونچا ہے جو مشابہ ہے حضرت ابوذر غفاریؓ کے بعض واقعات کے، اس لئے اس مقام پر اس کا نقل کرنا اصل مضمون کی ایک گونہ خدمت ہے، اور حاشیہ کی ایک نوع کی وضاحت، اس نیت سے پیش کرتا ہوں کہ اگر غیر مربوط نہ ہو تو شائع کردیجئے ورنہ احوال مجاذیب مثل مجاذیب رسوم سے مستغنی ہیں۔

رسالہ میں عنوان خود فراموشی اسی کے مشابہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ کا قصہ ہے جو احقر نے خود حضرت سے سنا ہے کہ ایک بار ایک خط کا مضمون ختم کرکے آخر میں اپنے دستخط کرنا چاہا ہے مگر باوجود بہت کچھ سوچنے کے ہرگز اپنا نام یاد نہیں آیا۔

رسالہ میں عنوان مجذوبانہ لباس جو عنوان بالا سے متصل ہی ہے اسی کے مشابہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا قصہ ہے جو بعض ثقات سے سنا ہے، وہ یہ کہ ایک بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ میں حضرت قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تشریف لائے، اسوقت پائجامہ میں بجائے متعارف کمربند کے ایک رسی بان کی پڑی ہوئی تھی حضرت مولانا گنگوہیؒ نے دریافت فرمایا کہ حضرت یہ کیا۔ فرمانے لگے چلتے وقت جلدی میں کمربند ملا نہیں میں نے اسی سے کام چلالیا۔ اھ مختصراً في القصة زيادة لا يحتاج إليها في المقصود.

اگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے واقعات کو حضرت کے صاحبزادے کلاں جناب مولوی حکیم معین الدین صاحب سے تحقیق کیا جاوے تو بہت کچھ ذخیرہ کی توقع ہے، پھر تیسری مبارکباد آپ کو اس فتوے کے لکھنے پر دیتا ہوں جو آپ نے صفحہ ۱۷ سے ختم صفحہ تک لکھا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ امر میں اعتدال بہم فرمایا کرے۔

اشرف علی

دیباچہ

الحمد لله و سلام علیٰ عباده الذین اصطفی

واقعات وسوانح جو کچھ بھی اس عنوان کے تحت درج کئے جائیں گے ان کا زیادہ تر حصہ اصابہ، اسد الغابہ، استیعاب اور ابن سعد وغیرہ سے ماخوذ ومستنبط ہوگا۔ کہیں کہیں بعض باتیں صحاح اور دیگر کتب حدیثیہ سے بھی لی گئی ہیں۔ مجھے چونکہ اس مضمون میں علاوہ تاریخی بیانات کے آخری اخلاقی نتائج کا درس دینا بھی مقصود ہے۔ اس لئے بعض بعض مقاموں میں چند ایسی باتوں کا اضافہ کروں گا۔ ممکن ہے کہ عام دماغوں کو کتب متداولہ میں نہ ملیں کیوں کہ ان میں نہایت دقیق اور غامض قیاس اور اجتہاد سے کام لیا گیا ہے۔ اسی لئے ابنائے عصر واقران کرام سے مجھے امید ہے کہ قبل کسی تجدد وامعان کے وہ الزام واعتراض کی طرف عجلت نہ فرمائیں۔

کہ درمحیط نہ ہرکس شناوری داند

تاہم میں نے اپنے خاص خاص نتائج کو لکھتے ہوئے ایسے الفاظ کا استعمال کیا ہے جو نقلی اور قیاسی بیان میں تمیز بخش سکتے ہیں۔ و باللہ التوفیق.

جدید دیباچہ

تصنیف سے تیس سال کے بعد

الحمد لله الذي بعزته و جلاله تتم الصالحات.

صالحات اور بننے والی باتوں کا بنانے والا اس کے سوا کون ہے کہ جہاں جلال ہے، اسی کا جلال ہے، اور جہاں عزت ہے، اسی کی عزت ہے، اس کی اعجوبہ طرازیوں کا کیا ٹھکانہ ہے۔ بڑے اور چھوٹے کاموں میں نہ جائیے کہ جو چھوٹا ہے وہ چھوٹا ہی ہے، پر جو بڑا ہے، ہمارے اور آپ کے لحاظ سے وہ بڑا ہی ہے، لیکن جو سب سے بڑا ہے۔ اللہ اکبر، اس کے سامنے بڑائی کس کے لئے ہے۔

اللہ اللہ، میں ان دنوں بیتے ہوئے دنوں کو کتنی حیرت کے ساتھ سوچتا ہوں، خیال آتا ہے کہ اس وقت جبکہ ہجری سن کے حساب سے ۱۳۶۴ھ ہجری کا سال ہے، اس سال کا یہی ربیع الاول الانور الاقدس کا پاک اور برگزیدہ مہینہ تھا، لیکن سن آج سے ٹھیک تیس سال پہلے ۱۳۳۴ھ ہجری کا تھا، دارالعلوم دیوبند کے مجلّہ شہریہ "القاسم" کی ربیع الاول ہی کی اشاعت تھی کہ "حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ" کے عنوان سے یہی مضمون جو آپ کے سامنے کتاب کی شکل میں پیش ہو رہا ہے شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ لکھنے والے کے شان وگمان میں بھی نہ تھا کہ جس مضمون کو ایک مجلّاتی مقالہ کی حیثیت سے وہ لکھ رہا ہے، وہ کسی زمانے میں کتاب کا قالب اختیار کرے گا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ معلومات ومواد کے جس محدود ذخیرے کو سامنے رکھ کر مضمون شروع کیا گیا تھا اس کے لحاظ سے اس وقت یہ بات سوچی

بھی نہیں جاسکتی تھی۔

لیکن ربیع الاول، ربیع الثانی، الغرض ہر آنے والے مہینے میں ''القاسم'' کے شماروں پر شمارے نکلے جاتے تھے، اور بالالتزام اس مضمون کا سلسلہ سب میں جاری تھا۔ سمجھا جاتا تھا کہ اب ختم ہوجائے گا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہر منزل پر پہنچنے کے بعد یہی دیکھا جاتا تھا کہ جتنا لکھا جاچکا ہے وہ اس کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے جو ابھی نہیں لکھا گیا ہے۔ الغرض دینے والا دیتا چلا جارہا تھا اور لینے والا لے رہا تھا، خود لے رہا تھا اور دوسروں کو دے رہا تھا۔ اس عرصہ میں بعض حوادث بھی پیش آئے۔ کچھ دن سلسلہ ٹوٹ بھی گیا۔ بہرحال وہی مضمون جو ۱۳۳۴ھ ہجری کے ربیع الاول کی اشاعت سے ''القاسم'' میں چھپنا شروع ہوا تھا، بالآخر ۱۳۳۸ھ کی ماہِ ربیع الثانی میں گویا کامل چار سال ایک ماہ میں جاکر ختم ہوا۔

اور یہ ماجرا تو اس کتاب کے مضامین کی کمیت کا ہے، رہی کیفیت تو ظاہر ہے کہ مضمون نگاری کی ابتدائی مشق کا وہ زمانہ تھا۔ واقعی طالب علمی تو اس کی اب بھی جاری ہے، اور لحد کو مہد بنانے سے پہلے تک ان شاء اللہ تعالیٰ وہ جاری ہی رہے گی، لیکن اصطلاحی طالب علموں کے جرگے سے تقریباً انہی دنوں میں علیحدہ ہوا تھا، زندگی کے جس سفر کی آخری منزل اب سامنے ہے۔ اس وقت تک کل تئیس (۱) سال اس پر گزرے تھے۔ ایسی حالت میں کیفیت کے متعلق کسی اہمیت کی بھلا توقع ہی کیا ہوسکتی تھی۔

لیکن اب میں کن الفاظ میں ان تعجب آمیز انبساطی احساسات کا اظہار کروں، جب اچانک امام الملت، حکیم الامت، سیدی الامام مولانا اشرف علی التھانوی قدس اللہ

(۱) کیونکہ ''مناظر احسن'' خاکسار کا تاریخی نام ہے (۱۳۲۰) جس کے اعداد ہیں۔ اب اتفاقات کے ان محاسن کو کیا کہئے، آج بھی ربیع الاول ہی کا مہینہ ہے۔ جس سال اس مضمون کی ابتداء ہوئی وہ بھی ربیع الاول ہی کا وہ مبارک تھا اور غلام کو جس آقا کی امت مرحومہ میں شریک کرکے پیدا کیا گیا، اس وقت بھی وہی ربیع الاول کی ۹ر تاریخ تھی، جو آقا کی تشریف آوری کا مبارک و مسعود مہینہ تھا۔

بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است..........

اضطراری سعادتوں کو بھی بزرگوں نے سعادت کی ایک قسم قرار دی ہے۔ فاللّٰھم لا تحرمنی عن ثمراتھا

سرہٗ العزیز کے ایک گرامی نامہ سے اسی مضمون کے متعلق پہلی دفعہ چونکایا گیا۔ حضرت والا سے شفاہی لقاء کی سعادت اس وقت تک نصیب نہیں ہوئی تھی اس لئے اور بھی تعجب ہوا، گو چند سطروں ہی کا وہ عنایت نامہ تھا۔ لیکن حضرت والا نے اس خط کو بھی ایک مستقل نام عطا فرمایا تھا، اور جسے عزت بخشی گئی تھی وہ بھی ایک خاص خطاب سے نوازا گیا تھا، اسی زمانہ میں ''القاسم'' کی کسی اشاعت میں اس مکتوب گرامی کو شائع بھی کردیا گیا تھا، اور اس وقت بھی موقع تھا کہ اس فیضِ شمامہ کو یہاں بجنسہٖ درج کرتا، لیکن افسوس ہے کہ باوجود تلاش کے ''القاسم'' کے پُرانے فائل میں وہ شمارہ نہ ملا۔ کاش! میری اس آرزو کی تکمیل کوئی صاحب آئندہ زمانہ میں فرمادیں۔(۱)

بہرحال جو کچھ یاد رہ گیا ہے، اب اسی پر قناعت کرتا ہوں، خط کا نام سمجھئے یا عنوان، یہ تھا:

خطاب من هذا الفقير الناظر   إلى كتاب السيد المناظر

جس لقب سے سرفرازی بخشی گئی تھی وہ یہ تھا۔ یعنی خطاب کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا گیا تھا:

"إلى سيد الكاتبين أحسن الله مناظره".

مضمون کے جس حصہ کو پڑھ کر اس خاص عنایت کی طرف حضرت والا کی جو توجہ ہوئی ہے اس کے بعد اس کا ذکر تھا۔ ارقام فرمایا گیا تھا کہ:

''اس مضمون کا لکھنے والا اگر محقق ہوچکا ہے تو یہ مضمون اس کی محققیت کی دلیل ہے، ورنہ محققیت متوقعہ کی دلیل ضرور ہے''۔

اصل مکتوب چونکہ سامنے نہیں ہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ الفاظ میں تقدم وتأخر کا اختلاف پیدا ہوگیا ہو، لیکن الفاظ ان شاء اللہ یہی تھے، مجھے یہ یاد پڑتا ہے کہ ''مجاذیب وبہالیل''، جو مسلمانوں کے فقراء کی ایک عام قسم ہے، اس باب میں فقیر نے جن خیالات کا

(۱) مولانا کا مذکورہ خط اس اشاعت میں شامل ہے۔

اظہار اور جن مستند مآخذ کو اس سلسلہ میں پیش کیا تھا، اس پر خصوصیت کے ساتھ زیادہ شاباشی عطا فرمائی گئی تھی، بلکہ خیال آتا ہے کہ بطور وصیت کے یہ بھی ارقام فرمایا گیا تھا کہ آئندہ ان کی مشہور کتاب "التکشف" کو جو صاحب شائع کریں، اس میں مضمون کے اس حصہ کا بھی اضافہ کر دیں، واللہ اعلم، اس وصیت کی تعمیل کی گئی یا نہیں۔ اور یہ پہلی بشارت تھی جو اپنے عہد کے ایک مجدد کے ذریعہ سے اس مضمون کی کیفیت کے متعلق مجھ تک پہنچی۔

اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ اس زمانہ کے معاصر پرچوں میں بھی اس مضمون کی نقلیں شائع ہونے لگیں، حتیٰ کہ مدراس کے ایک بزرگ نے تو کمال ہی کر دیا کہ ابھی مضمون نصف سے کم ہی شائع ہو سکا تھا، لیکن صبر سے کام نہ لے سکے اور تکمیل کا انتظار کئے بغیر جلد اول کے عنوان سے شائع شدہ حصہ کو کتاب بنا کر انھوں نے چھاپ بھی دیا، مجھے اس کی خبر نہ تھی کہ ایک دوست نے اطلاع دی منگا کر دیکھا کاغذ خصوصاً قسم اول میں تو انھوں نے گویا آرٹ پیپر ہی لگایا تھا، لیکن کتابت اور طباعت حد سے زیادہ حوصلہ شکن تھی۔ اپنے فطری اقتضاء کی بنیاد پر خاموش ہو کر رہ گیا۔

پھر مضمون کی تکمیل کے بعد مطبع قاسمی کے مالک اور منیجر مولانا طاہر صاحب نے بھی کتاب کی شکل میں دوسری دفعہ اس کو چھاپا، مگر افسوس ہے کہ چھاپنے سے پہلے اس بار بھی مجھے مطلع نہ کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گویا کتابت وطباعت، کاغذ کے لحاظ سے تو چنداں شکایت کی کوئی بات نہ تھی، لیکن مدراسی نسخہ میں جو نقائص اور غلطیاں رہ گئی تھیں قریب قریب وہ ساری باتیں طبع دوم میں بھی رہ گئیں لیکن درویش کا قہر ظاہر ہے کہ جانِ درویش کے سوا اور کہاں جا کر ٹوٹ سکتا ہے۔

اس عرصے میں وقتاً فوقتاً بعض اہل نظر کی نظر سے یہ کتاب گزرتی رہی۔ ان نقائص اور خرابیوں کے باوجود میں نے تبریک وتحسین کے ان الفاظ کو ہمیشہ تعجب سے پڑھا۔ اپنے آپ کو جن کا کبھی مستحق نہیں خیال کرتا تھا۔ مولوی ظفر الملک علوی تو اپنے رسالے "الناظر" میں ہمیشہ اس کتاب کا اشتہار دیتے ہوئے التزاماً ان الفاظ کو استعمال

کرتے تھے کہ:

"نرالے اور البیلے تحریر کا ایک عجیب وغریب نمونہ ہے"۔

اس سلسلے میں کم از کم میری نگاہ میں جس واقعہ کی حیثیت ایک تاریخی واقعہ کی ہے وہ اس فقیر اور مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی مدیر "صدق" ومترجم قرآن کے تعلقات کی ابتداء ہے۔ جس حلقہ میں فقیر اور مولانا کے تعلقات کو آج خاص امتیاز کی نظر سے دیکھا جاتا ہے شاید ان حضرات کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی ابتداء اسی کتاب "الغفاری" سے ہوئی۔

خاکسار جامعہ عثمانیہ میں "معلم الصبیانی" کی خدمت اختیار کر چکا تھا، جامعہ ہی میں ایک دن کارڈ ملا، ایسے حروف میں لکھا ہوا جن سے آشنا نہ تھا اور حروف بھی ایسے کہ اپنی خاص خصوصیتوں کی وجہ سے ان سے یوں بھی آشنا ہونا مشکل ہی تھا، تاہم کوشش کی گئی اور بحمداللہ کامیابی ہوئی، اور ایسی کامیابی جس کا سلسلہ یہ توقع ہے کہ ابد تک ان شاء اللہ تعالیٰ باقی رہے گا۔ الدنیا کے ساتھ ساتھ الآخرۃ میں بھی امیدوار ہوں کہ اس کے نتائج سے مستفید ہونے کا موقع بخشا جائے گا۔ "وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ" مولانا عبدالماجد صاحب نے اپنے اس سب سے پہلے عنایت نامہ میں ارقام فرمایا تھا کہ:

"تمہاری کتاب جو صورۃً اگرچہ پڑھنے کے قابل نہ تھی، لیکن غالباً کسی کے کہنے سے میں نے جب اس کو پڑھ لیا، تو مصنف کو اس کی محنت کی داد نہ دینا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید جرم اور گناہ کی حد تک پہنچ جائے"۔

الغرض اسی گناہ کے ازالہ کے سلسلہ میں اس رقیمہ مودّت سے سرفرازی بخشی گئی تھی، اس میں جو کچھ ارقام فرمایا گیا، کچھ یاد بھی نہ رہا۔ اور ضرورت اعادہ کی باقی ہی کب ہے "سچ" اور "صدق" کے صفحات میں "اَلْحُبُّ لِلّٰهِ" کے زیر اثر ان کے قلم نے جو ابدی نقوش ثبت کئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اب اس سے زیادہ اس سلسلہ میں اور کیا لکھا جا سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان صوری اور معنوی نقائص اور کوتاہیوں کے باوجود جواب تک اس کتاب میں باقی رہ گئی تھی یہ عجیب بات ہے کہ کہنے والوں نے اگرچہ "من صنف قد اِستھدف"

(جس نے تصنیف کی وہ نشانہ بنایا گیا) کے فقرے کو ضربُ المثل کی حیثیت سے مشہور کر دیا ہے، لیکن خدا کے فضل واحسان کے سوا اسے اور کیا سمجھوں کہ فقیر کو بالکل اس کے برعکس اپنی اس کتاب کے متعلق "مَن صنف عرف" (جس نے تصنیف کی اس کی تعریف کی گئی) کا مسلسل تجربہ ہوتا رہا۔

نواب صدر یار جنگ بہادر سابق صدرالصدور ممالک آصفیہ سے نیاز مندی کے تعلقات گو بہت قدیم ہو چکے تھے، لیکن ان کے سامنے اپنی تصنیفی کوششوں کو پیش کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

ایک خاص وجہ سے ''الغفاری'' ان کی نظر سے اتفاقاً جب گذری تو جو اثر اس کتاب سے ان کے قلب دانا اور ضمیر روشن نے لیا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ پچھلے دنوں بیسیوں چیزیں فقیر نے لکھیں، لیکن شروانی صاحب نے سب کو پڑھ کر یہی ارقام فرمایا کہ ''الغفاری'' والی بات کسی میں نہیں۔ ایک مہینہ کے قریب ہوتا ہے کہ کلکتہ کے مشہور سیاسی مجاہد مولوی راغب احسن ایم اے کا شفقت نامہ آیا۔ وہ ایک زمانہ تک ڈاکٹر اقبال مرحوم کے حلقہ نشینوں میں رہ چکے ہیں، ارقام فرماتے ہیں کہ تیری کتاب ''الغفاری'' کو ڈاکٹر اقبال مرحوم بھی بہت پسند فرماتے تھے، بلکہ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کتاب میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے جس خاص ''معاشی نظریہ'' کا ذکر کیا گیا ہے اسی کو نصب العین بنا کر ڈاکٹر مرحوم نے مولوی راغب کو آمادہ کیا تھا کہ ''ابوذر سوسائٹی'' کے نام سے مسلمانوں میں ایک خاص جماعت تیار کرنی چاہیئے۔

تیس سال کی مدت کے یہ سوانح ہیں، جو اس کتاب پر گذرے، لیکن میں ان کوتاہیوں کی وجہ سے جو اس میں رہ گئی تھیں ہمیشہ اپنے آپ کو قلق میں پاتا تھا، کچھ دن ہوئے ارادہ کر کے بیٹھ گیا اور نظر ثانی میں مشغول ہوا۔ عنفوانِ شباب کی لکھی ہوئی کتاب کو اپنی کہولت بلکہ شیخوخت کے قریب زمانے میں دیکھنے سے جو کسی مصنف پر گزر سکتی ہے، گزری تو، جی چاہا کہ بجائے نظر ثانی کے نئے سرے سے اسے پھر مرتب کروں، اس عرصے

میں بعض نئے معلومات بھی مختلف کتابوں میں مل گئے تھے، لیکن پھر خیال آیا کہ ایک خاص وقت میں جو واقعی میری زندگی کا خاص وقت ہی تھا اس کے یاد دلانے کی جو کیفیت کتاب کی موجودہ حالت میں پائی جاتی ہے، جدید ترتیب وتدوین میں وہ بات جاتی رہے گی، مناسب یہی معلوم ہوا کہ نومشقی کے زمانے میں جس طرح بھی جو چیزیں پڑھی تھیں، اب اس کو اسی حالت میں رہنے دیا جائے بلکہ بعض جاننے والوں (۱) نے تو مجھ سے یہ بھی کہا کہ جس حال میں یہ مضمون تم نے لکھا ہے، چونکہ اب وہ حال تمہارا باقی نہیں رہا ہے، اسی لئے گو یہ ہوسکتا ہے کہ جدید ترتیب وتدوین میں الفاظ اور عبارت کے لحاظ سے کتاب زیادہ بہتر اور پختہ بن جائے، لیکن تاثیر کی جو کیفیت اس میں تمہارے اس زمانہ کے باطنی واردات اور احساسات کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے، وہ یقیناً پیدا نہ ہو سکے گی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اس کتاب کے جن تاثیری نتائج کے معائنہ کرنے کا موقع وقتاً فوقتاً مجھے ملتا رہا ہے۔ اپنے کسی دوسرے مضمون یا کتاب کے متعلق ان کا تجربہ کبھی نہیں ہوا، بہار کے ایک رئیس وعالم جو مجھ سے عمر میں کہیں زیادہ تھے، حضرت مولانا محمد علی صاحب (مونگیر) قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خانقاہ کے حجرے میں ایک دن ان کو دیکھا کہ پلنگ پر لوٹ رہے ہیں، مولانا رحمۃ اللہ ان کا نام تھا، مظفر پور وطن تھا۔ ایک مستقل عربی مدرسہ کے ناظم وبانی تھے، اب انتقال ہوگیا، بہرحال اس حال میں ان کو پا کر جب میں نے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ فرمانے لگے کہ کیا ہوا؟ خود تم نے ذبح کیا اور پوچھتے ہوئے کہ تڑپتے کیوں ہو؟ فرمانے لگے، بھائی!.....ابھی تمہارا مضمون حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ والا پڑھ رہا تھا۔ بعض مقامات اس کے ایسے تھے کہ دل بے قابو ہوگیا اس وقت رو رہا ہوں اور ایک انہی کو نہیں، متعدد حضرات پر اس کتاب کا اثر یہی پایا گیا ہے۔

(۱) یہ رائے میرے حقیقی منجھلے بھائی برادرم مولوی سید مکارم احسن گیلانی سلمہ اللہ تعالیٰ کی ہے انھوں نے جن حالات میں مجھے زندگی کے مختلف نشیب وفراز میں پایا ہے، اتنی واقفیت اور کس کو ہوسکتی ہے۔ اس لئے ان کی رائے کا مجھ پر خاص اثر ہوا۔

ان ہی وجوہ واسباب نے جدید تدوین وترتیب کے خیال سے تو ہٹا دیا، صرف کتابت کی غلطیاں جہاں جہاں رہ گئی تھیں، حتی الوسع ان کو درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور کچھ جدید معلومات اس عرصے میں جو جمع ہو گئے تھے ان میں سے بعض ناگزیر اہم باتوں کا اضافہ چند مواقع پر کر دیا گیا ہے۔

ہمارے برادر عزیز مولوی مخدوم محی الدین صاحب (نظام آبادی) نے میری تصحیح اور اس اضافے کے بعد والے مطبوعہ نسخہ کو پھر قلم سے نقل کر کے میرے حوالے کر دیا تھا، جو کئی سال سے میرے پاس پڑا ہوا تھا، اب میرے محترم دوست مولوی غلام دستگیر رشید پروفیسر نظام کالج کی تحریک سے مولوی سید عبدالرزاق صاحب مالک ادارہ اشاعت اردو تیار ہوئے ہیں کہ اس مضمون والے نسخہ کو طبع کر کے شائع کریں، حق تعالیٰ ان کی اعانت فرمائے اور ان کا یہ نیک ارادہ پورا ہو۔ واللہ يقول الحق وهو يهدي السبيل.

خاکسار

مناظر احسن گیلانی

کلیہ جامع عثمانیہ، شعبہ دینیات (۲۳/ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ)

حضرت ابوذر غفاریؓ

قبیلۂ غفار کی جائے سکونت:

مکہ مکرمہ سے جو کاروانی راستہ پہاڑوں کے درّوں اور ریگستانی بیابانوں میں ہوتا ہوا شام و فلسطین کی طرف جاتا ہے، ٹھیک اسی شاہراہ کے کسی ایک (۱) سمت میں غفار بن ملیل بن ضمیر (جو کنانی النسل عرب (۲) تھے) کی اولاد غفار کے نام سے بسی ہوئی تھی (۳)، عام طور سے اس کا تلفظ غین کے زبر اور ف کے تشدید کے ساتھ کیا جاتا ہے جو غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ غین کو کسرہ یعنی زیر، اور ف کو بغیر تشدید کے پڑھا جائے۔ یعنی غِفَار۔

غفاریوں کے اخلاق وعادات:

قریش کے رحلة الصيف کا ایلاف (۴) وشوق انھیں پہاڑی سڑکوں کی پُشت پر

---

(۱) حافظ ابن حجرؒ نے واقدی کے حوالہ سے بدر (مشہور واقعۂ کارزار) کے ذکر میں نقل کیا ہے کہ "عن غير واحد من شيوخ بني غفار إنما هي مأوانا ومنازلنا" (ص:۲۲۲، مطبوعہ مصر نسخۂ صدیقیہ) جس کا یہی مطلب ہے کہ بنی غفار کے متعدد بزرگوں کا بیان ہے کہ بدر ان لوگوں کا ماویٰ اور قیام کی جگہ تھی، ممکن ہے کہ قبیلۂ غفار کی مختلف منازل میں یہ بھی ہو۔

(۲) کنانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پندرہویں پشت میں واقع ہوتے ہیں اور انہیں پر حضرت ابوذر غفاریؓ آنحضرت سے مل جاتے ہیں، سیأتی التفصیل۔

(۳) بخاری، طبقات بن سعد ج/۴، ص/ ۴۶۱

(۴) قریش اپنے ملک سے تجارت کی غرض سے دو موسموں میں نکلا کرتے تھے۔ گرمیوں میں ان کا سفر شام وبصریٰ کی طرف ہوتا تھا۔ اس کا نام "رحلة الصيف" یعنی گرمی کا سفر تھا۔ اور سردیوں میں وہ یمن کے مرکزی شہروں میں گھومتے ہوئے عراق کی طرف پھیل جاتے تھے اور اس کا نام "رحلة الشِّتاء" یعنی سردی کا سفر تھا۔ قرآن مجید نے ان کے دونوں سفروں کا ذکر کسی خاص مناسبت کے ساتھ کیا ہے۔

پورا ہوتا تھا، آئے دن قریشی تاجروں، عربی ساہوکاروں کے ہزاروں اونٹ، عرب کی مخصوص پیداواروں سے لدے ہوئے شام کی طرف جاتے تھے اور وہاں سے شامی غلے اور رومی دولتوں کے انبار عرب لاتے تھے۔ خیال کیا جاتا تھا کہ جوں جوں بازنطینی حکومت شام میں اپنے قدم جماتی جارہی تھی عربی تجارت کو خاص ترقی ہوتی رہی۔

غسانیوں کی پشت پناہی میں رومی درباروں تک عرب کی بخوبی گزر ہوتی تھی، ان کے لئے ان ملکوں میں ہر طرح کی آسانیاں مہیا ہوتی رہیں تا آنکہ آخر زمانہ میں تو عرب تجارت سے رومی حکومت نے چنگی کا محصول بھی اٹھا دیا تھا۔

قیاس کا مقتضی ہے کہ عرب کی ان تجارتی ترقیوں پر راستے کے قبائل واعراب کی للچائی ہوئی نگاہیں پڑنے لگیں اور رفتہ رفتہ اس معاملے نے یہ صورت اختیار کی کہ غفار کے جوشیلے بہادر نوجوانوں سے نہ رہا گیا۔ پھر جیسا کہ جہالت وافلاس اور شجاعت کے مجموعی جذبات وقویٰ کا تقاضا ہے۔ غفاریوں کے ہاتھوں سے دامن صبر چھوٹ گیا۔ گزرنے والے قافلوں پر انھوں نے ڈاکہ زنی شروع کردی، بے چارے راہ گیر وغریب مسافروں کو لوٹنے لگے۔

اس کے بعد یہ ناممکن تھا کہ ان کی غارت گری اسی حد تک آکر ٹھہر جاتی، ہر جرم دوسرے جرم کا مقدمہ ہے، علم النفس کا ایک مشہور ومسلم قانون ہے، ضمیر کے خلاف جس وقت ایک کمزوری بھی سرزد ہوجاتی ہے تو آئندہ اب اس کا انسداد مشکل ہوجاتا ہے، بسا اوقات بے باکی بہت دردناک ہوجاتی ہے۔ غفاریوں کو کیا معلوم تھا کہ راہ زنی کے بعد انھیں اردگرد کے قبیلوں کے ریوڑ بھی تاخت وتاراج کی دعوت دیں گے، حتی کہ ایسا ہی ہوا۔ غفاری ڈاکوؤں کی ایک جماعت تھی جو صبح کی اندھیریوں میں اکثر قبیلوں پر چھاپے مارتی، چراگاہوں پر دھاوے کرکے ان کے اونٹوں کو ہنکا لاتی (۱)۔

اور آہ کہ اسی پر بس ہوجاتا تو ایک حد تک غنیمت تھا۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا تھا، کہ جب عیش پرستی اور مال اندوزی کے ناپاک جذبات کا روحوں اور دلوں پر تسلط ہوجاتا ہے تو انسان پھر انسان

(۱) مستنبط از طبقات ابن سعد وصحاح۔

باقی نہیں رہتا، اس کے دل ودماغ پر مہر لگ جاتی ہے۔ پھر وہ نہ حقوق اللہ کی پروا کرتا ہے اور نہ خلق اللہ کی زبان ملامت اسے روک سکتی ہے۔ حرص وہوا کے دیوتاؤں نے ہمیشہ روحانیت کی دیواروں کو معمورۂ دل سے ڈھا کر برباد کیا ہے، حتی کہ احساسِ عزت وخودداری بھی معطل ہوجاتے ہیں۔

بنی آدم اپنی ہستی آپ فراموش کر بیٹھتا ہے اسے بالکل خیال نہیں ہوتا کہ میری حرکتوں پر دنیا کیا کہے گی، خدا کو کیا جواب دوں گا۔

یہی بدحالی، یہی ابتری غفاریوں پر آخر میں طاری ہوئی کہ ابتک وہ جو کچھ بھی کر رہے تھے، عرب کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی اور ایک حد تک ایامِ جاہلیت کے بین الاقوامی قانون کے اعتبار سے یہ امر چنداں شنیع بھی نہ تھا، لیکن اب ان کا قدر اور زیادہ تیز ہوا۔ یعنی اشہر حرم (۱) کی

(۱) اشہر حرام چار ہیں، جن کی ترتیب صحیح روایات کے اعتبار سے یہ ہے: رجب، ذی قعدہ، ذوالحجہ، محرم۔ رجب کو رجب مضر اس لئے کہتے ہیں کہ ربیعہ کی نسلیں بجائے رجب کے رمضان کا احترام کرتی تھیں، قبائل عرب ان مہینوں میں قتال ومحاربہ، تاخت وتاراج کو حرام سمجھتے تھے۔ حتی کہ اس کی پابندی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ ان مہینوں میں کسی کے سامنے اس کے باپ کا قاتل بھی آجاتا تو قتل وقتال تو کجا بُرا بھلا کہنا بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ بعد کو جب عرب میں ملت ابراہیمیہ کی جانب سے لاپروائیاں ہونے لگیں تو احتیاط میں کمی ہونے لگی۔ حیلے بہانے کی بنا پڑی، مثلاً اگر محرم میں ان کو لڑنا منظور ہوتا تو محرم کی حرمت صفر میں منتقل کردیتے اور اگر اس میں بھی فرصت نہیں ملتی تو ربیع الاول اس بار عظیم کا حامل قرار پاتا۔ وہکذا، حتی کہ اخیر میں کلیہ ہوگیا کہ حرمت صرف سال کے چار مہینوں میں ہے، تخصیص کی قید لغو ہے، مگر اس میں بھی انھیں دقت ہونے لگی ۱۲ مہینے جلد جلد ختم ہوجاتے تو پھر سال میں اضافہ ہوا، کوئی سال تیرہ مہینہ کا اور کوئی ۱۴ کا إلیٰ غیر ذلك ۔ ان تحریفات کا اثر موسم حج پر بھی پڑتا تھا، حتی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۹ھ میں جب حج کیا تو ذی قعدہ کا مہینہ تھا، آخر میں جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج ۱۰ھ میں کیا تو ذوالحجہ کا مہینہ تھا جو ٹھیک موسم حج تھا اسی بنا پر آپ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا:

"إلا أن الزمان قد استدار کھیئتہٖ یومَ خلق اللّٰہ السمٰوات والأرض" (صحاح)

"جس وقت خدا نے آسمان وزمین پیدا کئے تھے زمانہ کی ہیئت اس وقت تھی اسی پر آج پھر گھوم کر آگیا۔"

قرآن مجید نے بھی مہینوں میں فساد اور ظلم سے منع کیا ہے، مگر بالاتفاق مقصود یہ ہے ان مہینوں میں ارتکاب جرائم میں زیادہ برائی ہے ورنہ یوں تو گناہ گناہ ہے اور ہر آن میں ہے، یہ بجنسہٖ ایسا ہے کہ سرزمین حرم کو ایک خاص خصوصیت ہے کہ گناہ کی برائی اس میں زیادہ شدید ہوجاتی ہے۔

تعظیم وتکریم اور تمام عرب کے نزدیک خواہ وہ کسی صورت میں ہو، ایک مذہبی روایت، قومی خصوصیت کی شکل میں مسلم تھی۔

مگر ان دنیا پرستوں نے میرے خیال میں محض اس لئے ان چار مہینوں کے قافلے ہاتھوں سے بلا وجہ ضائع ہوجاتے ہیں، متفق ہوکر یہ قانون پاس کرلیا کہ اشہرحرام کے تمام احکام ورعایات ایک بےمعنیٰ مذہبی ڈھکوسلے ہیں جسمیں علاوہ قدامت پرستی کے بڑی خرابی یہ ہے کہ ایک عظیم معاشی نقصان جوکسی طرح قابل برداشت نہیں، غفاریوں کو اٹھانا پڑتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ محض اس عقیدہ کی وجہ سے ہماری رفاہیت قومیہ افلاس ومسکنت کی شکار بن جائے۔

الغرض قبیلۂ غفار نے اشہرِ حرام کی حرمت کو حلال کرکے پھر وہ کھیل کھیلا کہ عرب کی سب سے بہادر قوم قریش بھی ان کی ترکتازیوں سے دبنے لگی، انھیں ہر موقع پر باوجود سیدُ الاقوام ہونے کے ان کی رعایت کرنی پڑتی ہے(۱)۔

آپ کی ولادت اور نام ونسب:

غفاریوں پر اسی قسم کے طغیان وتمرُّد کے بادل چھائے ہوئے تھے، لیکن عین انہیں دنوں میں جنادہ بن کعیب بن صُعیر بن الوقعۃ بن حرام بن سفیان بن عبید بن حرام بن غفار کے گھر رملہ بنت ربیعہ کے بطن سے جو ایک غفاریہ خاتون تھیں وہ سعید لڑکا پیدا ہوا، جس سے زیادہ سچی زبان والے انسان کو زمین نے اپنی پشت پر کبھی نہیں اٹھایا تھا اور نہ آسمانوں نے اس سے اصدق ترین لہجے والے کو اپنے آغوشِ ظلال میں پالا تھا(۲)۔ اور جو اپنے عیسوی تقویٰ کی وجہ سے اخیر میں مسیح الامت کے نام سے ملقب کیا جانے کا بجا طور پر مستحق قرار پایا۔

ماں باپ نے آپ کا نام جندب(۳) رکھا اور اسی نام کی وہ پیاری تصغیر ہے جسے

(۱) ماخوذ از بخاری۔ (۲) اصابہ، ص: ۱۱۲/۷

(۳) یہ نص نبوی ہے جیسا کہ عنقریب آپ کے مناقب میں اس کی تفصیل آتی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی رہی ہے، کماسیأتی۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ''یا جنیدب(۱)'' کے مشفقانہ خطاب میں استعمال فرمایا ہے۔ ابوذرؔ آپ کی کنیت ہے عام طور سے آپ اسی کنیت کیساتھ مشہور ہوئے۔

ایام جاہلیت کی ابتدائی حالات وسیر:

یہ بالکل ناممکن ہے کہ انسان جس قوم میں پیدا ہو ان کے عادات واطوار کے پرتو ان پر نہ پڑیں "اِلَّا مَـا شَـاءَ اللّٰہ" غفار ایک غارت پیشہ راہ زن قوم تھی تو کوئی تعجب نہیں اگر حضرت ابوذر غفاریؓ میں بھی ان کے عادات وخصائل پیدا ہوتے، بالآخر یہی ہوا، جب کچھ جوان ہوئے، تیر وکمان سنبھالنے کی صلاحیت پیدا ہوئی، دست وباز نے تلوار کے قبضہ کی طرف اشارہ کیا، اٹھے اور جا کر قافلوں کو لوٹ لیا، ریوڑوں کو بھگا لائے، فطری شجاعت نے ان کو اور بھی جری بنا دیا تھا۔ کبھی کبھی زیادہ ولولہ اٹھتا، تو تنِ تنہا راتوں کو قبیلوں پر جا پڑتے اور عرب کے بہادر گلہ بانوں کو للکار کر تہِ تیغ کرتے ہوئے اونٹوں کو بھگا کرا کیلے اپنے قبیلے تک لے آتے۔ کبھی خیال گزرتا تو گھوڑے کی پیٹھ پر بلا کسی رفیق کے کاروانوں کو لوٹ (۳) کھسوٹ لیتے تھے۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے، ان کا حملہ پیادہ ہوتا تو عجیب چستی وچالاکی سے قافلوں میں گھستے تھے، ایسا معلوم ہوتا کہ ایک بپھرا ہوا شیر بکریوں میں جا پڑا(۴) ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اپنی اس قزاقانہ مساعی پر قوم کے بزرگوں سے خوب خوب دادیں ملیں اور چونکہ جوان طبیعتوں کی اشتعال پذیری کے لئے اس سے زیادہ مؤثر اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ اسی وجہ سے انھوں نے راہ زنی میں نمایاں حصہ لینا شروع کیا ہوگا اور اس معاملہ میں بہ نسبت اور لوگوں کے ان کی دست درازیاں حد سے گزر گئی ہوں گی۔

راہ زنی سے توبہ:

اور میرے نزدیک یہی زیادتی شاید ان کے لئے مفید ہوئی۔ غالبًا ان کی سلیم

(۱) بعضوں نے آپ کا نام ''بریر'' بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بھی ہو۔ کیا ایک آمی کے دو نام نہیں ہوتے۔

(۲) ابن ماجہ۔ (۳) طبقات ابن سعد ج:۴، ص:۱۶۳ (۴) ماخوذ از طبقات

فطرت بچوں کے مسلسل شور و بکا، عورتوں کی گریۂ وزاری سے اخیر میں متاثر ہوئی۔ ناممکن ہے کہ ڈھاڑیں مار مار کر بے چاری عورتیں ان کے قدموں پر روز وشب تڑپتیں اور وہ دل جو قدرت نے ان کے سینے میں ودیعت فرمادیا تھا ان سے نہ پگھلتا۔

آخر پگھلا، پسیجا، آپ پر اصلی فطرت غالب آگئی اور صحبت کے بُرے آثار جو طبعی نہ تھے مقہور ہوگئے، آپ کو اپنی ان ظالمانہ حرکتوں پر سخت ندامت ہوئی، عقل نے بھی اندرونِ دل میں رافت ورحمت کی بوندیں ٹپکائیں، اور اخیر میں یوں سمجھو کہ وہ (جو) ہمیشہ گرتوں کو سنبھالتا ہے اور ڈوبتوں کو تراتا ہے، مردے سے زندوں کو اٹھاتا ہے۔ اسی کا دست کرم ظاہر ہوا اور کھل گیا کہ یہ جو کچھ ہے حرص کی غلامی اور ہوا وہوس کی پرستاری ہے۔

ادھر خیالات میں یہ انقلاب عظیم پیدا ہوا، شر، خیر کے دریا کو جنبش میں لے آیا کہ اس کے بعد ہی جیسا کہ ہر تائب کو توبہ کے بعد ہوتا ہے کہ جرائم ومعاصی کی مفصل فہرست آنکھوں کے سامنے کھل گئی گذشتہ تعدیوں، خونریزیوں کے خیال نے ہوش اُڑا دیئے، آخرت کے خیال نے دل میں ہل چل ڈالدی۔

اسلام سے پہلے عبادت خدا کا خیال:

عرب مشرک ضرور تھے، دیوتاؤں اور دیویوں پر انھیں بھروسہ تھا، اور بنی غفار بھی تمام ضلالت وخبث میں ان کے دوش بدوش تھے، لیکن قرآن وحدیث، آثار واشعار کے تتبّع سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو انھوں نے سرے سے بھلا نہیں دیا تھا۔ اگر ہم کہیں کہ وہ اپنے تمام معبودوں میں خداوند تعالیٰ کو سب سے بڑا، سب سے زیادہ قدرت والا مانتے تھے تو کبھی بھی غلط نہیں ہوسکتا۔ بتوں کو انھوں نے محض سفارت وشفاعت کا درجہ دے رکھا تھا، اپنی معمولی حاجات یا صرف دنیوی ضروریات کو ان کے آگے پیش کرتے تھے، ورنہ اگر کوئی امرِ مہم پیش آجاتا تو اس وقت ان کی پیشانی بھی خدائے واحد ہی کے آگے جھک جاتی تھی۔

"فَاِذَا رَکبوا فِی الفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ،

فَلَمَّا نَجّاهُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَاهُمْ یُشْرِكُوْنَ"۔

''جب کشتیوں پر سوار ہوتے ہیں تو خدا کو سچے دل سے پکارتے ہیں، پھر جب خدا انھیں خشکی کی طرف نکال دیتا ہے تو وہی شرک کرنے والے ہوجاتے ہیں''۔

سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے، اور نہ صرف اسی قدر بلکہ بعض قبیلوں کے دلوں میں تو چنداں وقعت بھی نہ تھی۔ کھجوروں کے بت کو قحط کے ایام میں عربوں کا چٹ کر جانا، ان کی دلی تکریم کی پوری تشریح کرتا ہے۔

بہرکیف وہ خداوند تعالیٰ کو ضرور مانتے تھے اور سب سے بڑا معبود مانتے تھے، اپنے اہم معاملات میں اسی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ علی الخصوص جب کہ کوئی اُخروی و دینی ضرورت ہو۔

اور اسی بنا پر میرا قیاس ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو چوں کہ اپنی عاقبت(۱) کی بدانجامی کا خوف روز بروز بہت زیادہ شدت پذیر ہوا کہ مضطرب ہوکر انھوں نے بجائے اساف ونائلہ، لات عزیٰ کے یہی رائے قائم کی کہ میرا جرم عظیم ہے، میں نے سینکڑوں بیکسوں، مسافروں، بچوں اور عورتوں کو بے دردی کے ساتھ ستایا ہے اس لئے اب مجھے اپنی عمر کا باقی حصہ اکیلے خدا کی عبادت و پرستش میں گزار دینا چاہئے۔ ممکن ہے یہی عبادت گزشتہ معصیتوں کا کفارہ ہوجائے۔ اس خیال کا رنگ آپ پر اس قدر گہرا ہوکر چڑھا کہ بغیر کسی تعلیم وارشاد کے خود اپنے جی سے عبادت کی کچھ صورت مقرر کرلی کہ صرف دل کی پشیمانی اور اقرارِ الوہیت سے عبادت کی حقیقت مکمل نہیں ہوسکتی تھی جیسا کہ فطرت سلیمۂ بشریہ کا تقاضا ہے۔ خود فرماتے ہیں:

"وَقَدْصَلَّیْتُ یَا اِبنَ أَخِیْ قبل أن الْقیٰ رَسُوْلَ اللّٰهِ

---

(۱) آخرت کا خیال اکثر عربوں میں موجود تھا۔ البتہ ایک روشن خیال طبقہ تھا جو ان چیزوں کو اساطیر الاولین (پہلوں کی داستانیں) اِفکِ قدیم (پرانا جھوٹ) کہہ کر لغو قرار دینے کی کوشش کرتا تھا۔

صَلّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَسَلّم ثَلَاثَ سِنِیۡن". (۱)

''میرے بھتیجے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے
مشرف ہونے سے تین سال پہلے سے نمازیں پڑھتا تھا''۔

راوی نے پوچھا کہ آپ کس کی نماز پڑھتے تھے کہ عرب کی شرکت وضلالت کو دیکھتے ہوئے اس کو نماز کا نام سن کر تعجب ہوا آپ نے فرمایا کہ لِلّٰہ (خدا کے لئے)۔
اس نے پوچھا کہ تو کس طرف رُخ کر کے پڑھتے تھے۔ جواب میں فرمایا:

"حَيۡثُ يُوَجهني اللّٰه" ''جدھر اللہ تعالیٰ جھکا دیتے ہیں''۔

اور اخیر میں تو گزشتہ اعمال وافعال کی فراوانی دیکھ دیکھ کر اس درجہ آپ پر خشیت مسلط ہوئی کہ تعجب ہوتا ہے۔ خود بیان کرتے ہیں:

"اُصلي عِشَاءَ حَتّٰی اِذَا کانَ اٰخر السحر القیت کأنی
خفاء حتی تعلو في الشمس".(۲)

''رات کی نماز کے لئے کھڑا ہوتا (اور کھڑا رہتا) یہاں تک کہ
جب پچھلی رات بھی ختم ہونے کے قریب ہوتی تو اپنے آپ کو زمین پر ڈال
دیتا اور اس طرح پڑا رہتا کہ گویا کپڑا پڑا ہوا ہے یہاں تک کہ مجھ پر دھوپ
پڑنے لگتی تھی (تو اٹھتا)''۔

الغرض چند ہی دنوں میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا رنگ ہی دوسرا ہو گیا، راہ زنی کے تمام ولولے، تاخت وتاراج کے جوش وخروش یکا یک ٹھنڈے پڑ گئے، صبح وشام اپنی فرضی عبادت میں محو رہتے۔

ترک وطن:

ایسا خیال ہوتا ہے کہ بنی غفار پر آپ کی اس اجنبی حالت کا خاص اثر ہوا ہوگا، اولاً

(۱) طبقات وصحیح مسلم (۲) صحیح مسلم وطبقات

تو ان باتوں کو وہ جنون ودیوانگی سمجھتے ہوں گے، ثانیاً ان کو اپنے قوم کے ایک بڑے بہادر کی کمی کا خیال بہت گراں گزرا ہوگا۔ پھر ساتھ ہی اس کے، جیسا نفس انسانی کی سلیم فطرت کا اقتضا ہے کہ وہ اندھے کو کنویں کی طرف جاتا دیکھ کر چلا اٹھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ اس میں گر نہ جائے اسی طرح یقیناً حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن چیزوں کو اپنے روحانی احساس کے ذریعہ سے زہر سمجھ چکے تھے، ان سے اپنی قوم اور برادری کے لوگوں کو روکتے ہوں گے، خصوصاً جب کہ ان کو اپنی قوت فیصلہ کی طاقت پر اس درجہ اعتماد بڑھا ہوا تھا کہ وہ ایامِ اسلام میں صحابہؓ کی رایوں کی بھی پروانہیں کرتے تھے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے تو غالبًا اس روک ٹوک کا قصہ بڑھتے بڑھتے زیادہ طول کھینچا، تفصیل تو نہ مل سکی گمان ہے کہ نزاع اشہر احرام ہی کے متعلق ہوئی اور معاملہ زیادہ نازک ہوا، بنی غفار آمادۂ اذیت و پیکار ہوئے، حتی کہ مجبور ہو کر آپ نے اس وقت ترکِ وطن کو مناسب سمجھا۔ فرماتے ہیں:

"خرجنا من قومنا غفار و کانوا یحلون أشهر
الحرام". (۱)

''اپنی قوم غفار سے نکل کھڑا ہوا، یہ لوگ حرام مہینوں کو حلال سمجھتے تھے''۔

اپنی جلاوطنی کے قصے کے درمیان میں اشہر حرم (حرام مہینوں) کی تحلیل کو لے آنا بتاتا ہے کہ آپ کی زیادہ برافروختگی اسی مسئلہ پر تھی۔

بہرکیف، آپ اپنی والدۂ محترمہ اور بھائی انیسؓ کو ساتھ لے کر گھر سے اُٹھ کھڑے ہوئے، وہی بنی غفار جس کو کسی زمانہ میں ابوذرؓ کے دست وبازو پر فخر وناز تھا، آہ! کہ کس درجہ عبرت ناک نظارہ ہے کہ حق وصداقت کی حمایت کی بدولت وہ اپنے آبائی وطن کو چھوڑتا ہے، سچائی کو لوگوں نے اس کا دشمن بنا دیا ہے، اس کی تمام آبرو وعزت محض اس لئے دلوں سے نکل چکی ہے کہ وہ ان کے فسق وفجور راضی نہ تھا۔

تاریخ کی زبان گوسا کت ہے، اور نہیں بتائی کہ قوم کے اس معزز انسان پر اس کی

(۱) طبقات وصحیح مسلم

اصلاح کے بعد اس پر کیا کچھ گزری، لیکن تجربہ اور مشاہدہ تصویر تکلم ہے، وہ آئے دن اس کا مرقع ہمارے سامنے اس وقت پیش کرتا ہے، جب مہذب ڈاکوؤں، متحد غارت گروں کی جماعت کا کوئی آدمی رشوت وخیانت، فریب ودغابازی کی عادتوں سے توبہ کر کے محض اپنی حلال تنخواہ پر اوقات گزارنے کیلئے تیار ہوجاتا ہے تو یکا یک جیسے اس وقت اس کی تمام تر بیدار مغزیاں انتہائی خرد ماغیوں کے لفظوں سے تعبیر کی جاتی ہیں، اگر اس سے پہلے وہ اپنے کنبہ کا سب سے زیادہ ہوش مند جوان بخت نوجوان تھا تو اس کے بعد قبیلے کا وہ ایک سخت اور منحوس آدمی بن جاتا ہے۔

اس سے پہلے قوم کا ایک آدمی اس کی عنایت پرورانہ تبسموں کا آرزومند رہتا تھا، لیکن اب لوگوں کو اس کی چیخ وپکار کی پرواہ بھی نہیں۔ وَفِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصار۔

جب کہ حق وراستی کے یہ لازمی نتائج ہیں تو اگر یہ کہیں کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے ساتھ بھی ان کی قوم کا یہی برتاؤ ہوا تو کوئی تعجب نہیں۔ غفار کے خیموں پر جوان کے بچپنے کے کھیلنے کی جگہ تھی، ان صحراؤں پر جوان کی شہسواری کے بازی گاہ تھے، آہ! کہ ان سب پر نگاہ حسرت والم ڈالتے ہوئے وہ رخصت ہورہے ہونگے، مگر امید نہیں پڑتی کہ غفاریوں کا کوئی آدمی ان کو روکنے کے لئے اٹھا ہوگا۔ اور غفاری کیا روکتے کہ وہ تو جاہل تھے، آج جب کہ تعلیم یافتوں کا یہی حال ہے تو بجاہلاں چہ رسد۔

ماموں کے ہاں آنا:

بہر کیف آپ کی جلاوطنی کی علت خواہ کچھ ہی ہو، آپ نے غفار کو چھوڑا، قریب کے رشتہ داروں میں آپ کے ایک مہربان ماموں کسی دوسرے قبیلے میں اقامت گزیں تھے وہیں کا ارادہ کیا۔

قطع منازل کے بعد اس قبیلے میں پہنچے۔ آپ کے ماموں نے جو اپنی بچھڑی ہوئی بہن (یعنی آپ کی والدہ) کو اس غربت کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا جی بھر آیا، بھانجوں کی

تسلی کی، خیمے خالی کردیئے، غرض ایک ماموں سے جس ہمدردی کی امید ہوسکتی تھی، وہاں آپ کو میسر آئی۔ نہایت چین وآرام کے ساتھ رہنے لگے۔ یہاں ان کو اپنے مشغلے سے کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ تجربوں نے آپ کو سکوت وصبر کی تعلیم بھی دی۔ کوئی نیا فتنہ بھی نہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دن اسی طرح آرام وسکون کے ساتھ گزرے۔

ماموں کے یہاں سے روانگی:

ماموں نے بھی آپ کی عنصر طیب اور جوہر ذاتی کو پہچان لیا۔ روز بروز ان کی توجہ زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ماموں کے ہاں آنے جانے والے لوگوں کے دل میں رشک کا مادہ پیدا ہوا۔ ان دونوں بھائیوں نے بہت سے حاشیہ نشینوں کی جگہ لے لی، ان کے گھر کے کام جواب تک دوسروں کے ساتھ متعلق تھے ان لوگوں کے سپرد ہوگئے۔ الغرض مختلف اسباب وعلل نے اس مادہ کو تیز کیا۔ یہاں تک کہ رشک نے حسد کی صورت اختیار کی۔ مخالفوں کی ایک جماعت تیار ہوئی، جوان کے خلاف ہر امکانی کوشش کرنے کی فکر میں مصروف رہتی تھی۔

آپ کے ماموں کبھی کبھی سیر وشکار کی غرض سے گھر سے باہر بھی جایا کرتے تھے مخالفوں نے اس کو غنیمت سمجھا، ایک دن کا واقعہ ہے کہ سبھوں نے مل کر آ کر کہا۔

''جناب آپ باہر جاتے ہیں، اور گھر میں کوئی نہیں رہتا تو آپ کے بھانجے (انیس) گھر والوں پر افسری کرتے ہیں اور ہر قسم کی ابتری پھیلا دیتے ہیں، ان کی وجہ سے لوگوں کی ناک میں دم ہے۔''

آپ کے ماموں کی عنایات گو آپ کے بھائی پر بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھیں اور شاید اسی وجہ سے شکایات کا ان پر کوئی غیر معمولی اثر پیدا بھی نہ ہوا، تاہم وہ آدمی تھے، ایک دن موقع پا کر انھوں نے پوچھ لیا کہ بھائی، انیس ایسا کیوں کرتا ہے؟

اس قدر جملے کا سننا تھا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ آپے سے باہر ہوگئے۔ ایک تو اس

لئے کہ وہ فطری طور پر ایک کڑے مزاج کے آدمی تھے۔ دوسرے غربت ومسافرت میں انسان کا دل بہت چھوٹا ہوجاتا ہے، وہ کسی کی معمولی بات کی تاب نہیں لاسکتا۔ پھر واقعہ بھی سرے سے غلط، اور ممکن ہے کہ انجام کا بھی خیال آیا ہو، کہ اگر اسی طرح ہم لوگوں کی شکایتیں ہونے لگیں، تو آج تو معاملہ زیادہ خطرناک نہیں، ہوسکتا ہے کہ آئندہ ہمیں اپنے ماموں کے گھر سے بے عزت ہوکر نکلنا پڑے۔

بس پھر کیا تھا، حسرت بھرے لہجے میں آپ نے اپنے ماموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''آپ نے تمام گزشتہ احسانات کی نہروں کو گدلا کردیا۔ بس اس کے بعد ہمارا اجتماع آپ کے ساتھ ممکن نہیں۔''

اور اپنے اونٹوں پر لد کر وہاں سے بھی بلا کسی توقف کے روانہ ہوئے۔ بے چارے ماموں کو کیا خبر تھی محض اتنی سی بات پوچھنے سے ابوذر کا یہ حال ہوگا، وہ تو ہکا بکا ہوکر رہ گئے، روکتے تھے، تسلیاں دیتے تھے، مگر یہاں کون سنتا ہے، وہ وقت بھی نہایت دردناک تھا، جبکہ ان لوگوں کے اونٹ اس قبیلے سے نکل رہے تھے۔ خود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے:

"فتغطیٰ خالنا بثوبہٖ و جعل یبکیٰ" (۱)

''ماموں اپنے منھ کو کپڑے ڈھانک کر روتے تھے۔''

الغرض رائی پہاڑ بنی اور آپ کو یہاں سے بھی رخصت ہونا پڑا۔

مکہ کی طرف رُخ کرنا پڑا:

مکہ معظّمہ عرب کا مشہور شہر تھا۔ آپ نے اپنے اونٹوں کو اسی طرف پھیر دیا۔ خاص شہروں میں تو جانا آپ نے مناسب نہ سمجھا، لیکن اسی عرصہ میں آپ کے بھائی انیس کا جو ایک زبردست شاعر تھے کسی دوسرے شاعر سے مقابلہ ہوگیا۔ انیس اپنے اشعار کی تعریف کرتے تھے اور اسے بلند پایہ بتاتے تھے، اور دوسرا اپنی شاعری کی مدح سرائی کرتا

(۱) یہ تمام واقعات صحیح مسلم و بخاری سے ماخوذ ہیں۔

اور اسے بڑھاتا، الغرض اسی نوک جھونک میں شرط کی نوبت آگئی۔ بات اس پر طے ہوئی کہ جو ہارے وہ اپنے ریوڑ جیتنے والے کو نذر کرے۔ ایک کاہن حکم مقرر ہوا۔ دونوں اس کے پاس حاضر ہوئے۔ خوش قسمتی سے حضرت انیس کے موافق فیصلہ دیا۔ ان کے اشعار کو خصم کے شعروں سے بہتر بتایا۔ حضرت انیس خوش خوش اپنی ریوڑ کیساتھ اس کی ریوڑ بھی قیام گاہ پر ہنکا لائے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو بھی اس تائید غیبی پر بہت مسرت ہوئی۔

دیار نبویؐ تک باریابی کے اسباب:

یہ وہ زمانہ تھا کہ رافت سماویہ ملت ابراہیمیہ کے اتمام واحیاء کے لئے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت قدسیہ کو انتخاب کرچکی تھی۔ حرا کا واقعہ، نزول وحی، بعثت کے حوادث گزر چکے تھے۔ اسلام کی تبلیغ کی آواز عشیرۃ الاقربین سے گزر کر اُمّ القریٰ میں گونج چکی تھی۔ گھر گھر اس کے نئے دینِ ظاہر ملت عالیہ کا چرچا تھا، کفار میں اسلام پرستی کے جذبات موجزن تھے۔ بچوں سے بوڑھوں تک اپنے خود تراشیدہ معبودوں کی تائیدوں میں سرشار ہورہے تھے۔

راہ گیروں اور مکہ میں آکر بازار کرنے والے اعراب ومسافرین کے کان کھڑے ہوچکے تھے۔ مکہ سے جو باہر جاتا وہ اس کی خبر کو اپنے شناسا ملنے جلنے والے کو تعجب سے سناتا تھا۔

اس عرصہ میں مکہ سے کوئی مسافر حضرت ابوذر غفاریؓ کے پڑاؤ کی طرف گزرا۔ آرام لینے کے لئے کچھ دیر شاید وہاں ٹھہرا ہوگا۔ بات میں بات پیدا ہوئی۔ معلوم نہیں حضرت ابوذرؓ کے خیالات سے اسے قبل سے واقفیت تھی یا اسی وقت ان کی گفتگو سے اسے معلوم ہوا کہ ''آپ بھی ایک ہی خدا کے ماننے والوں میں سے ہیں۔'' بہر کیف، اس نے کہا، ابوذر! یہ جو تم جو کچھ کہتے ہو، مکہ کا ایک شخص بجنسہٖ اسی کا مدعی ہے، دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کلام نازل فرمایا اور اسے اپنا پیغمبر بنایا ہے، خدا کا حکم ہے کہ اس کے علاوہ

اور کسی معبود سے کوئی واسطہ نہ رکھو(۱)۔

اس نے تو رواروی میں یہ خبر سنائی، لیکن ادھر حضرت ابوذرؓ کا دل بلّیوں اُچھل پڑا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گوہرِ مقصود کی جگمگاہٹ نے ان کے دل و دماغ کو روشن کر دیا۔ سمجھ لیا کہ وقت قریب ہے، دل کی بے چینی کی دوا آسمان سے اتر چکی ہے۔ سنتے ہی سنبھل کر بیٹھ گئے، اور نہایت اضطراب کے ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرنے لگے۔

کہ اس کا اصلی وطن کہاں ہے، کس قبیلے کا آدمی ہے، مکہ کے کس خاندان سے اسے تعلق ہے؟ راہ گیر نے سارا نشان و پتہ بتا دیا، کہ وہ مکہ کا باشندہ ہے، اور قبیلۂ قریش کے ممتاز خاندان کا آدمی ہے (۲)۔

اس قدر پوچھ کر آپ چپ ہو گئے، دل میں ایک انجذابی کیفیت تھی جو رہ رہ کر ان کو مکہ کی طرف گھسیٹ کر لے جانا چاہتی تھی، لیکن کچھ اپنے بت پرست بھائی کا خیال، کچھ مشرکہ ماں کی خاطر سے دل میں اس انگارے کو دبائے بیٹھے رہے جو تبلیغ کے بعد ہر ایسے دل میں خود بخود بلا کسی دلیل و حجت کے پیدا ہوتا ہے، عقیدت و الفت کا ایک دریا تھا جو روحِ ابوذری میں جوش زن تھا، نہیں سمجھتے تھے کہ کیا ہے، اور کیوں ہے، مگر تھا اور اس کے ہیجان سے بے کل تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں، مگر یہاں تو سعادت آپ کی پیشانی چوم چکی تھی، آپ کے رشد و ہدایت کا سامان آسمان پر کیا گیا تھا۔ انیسؓ نے یکایک آپ سے آکر کہا، بھائی جان! میں ذرا مکہ جاؤں گا۔ آپ ذرا اونٹوں کی نگہداشت فرمایئے گا۔ ان کے چارہ پانی کا خیال رکھیں، ان شاء اللہ تعالیٰ جلد واپس آتا ہوں (۳)۔

ایک آواز تھی یا بجلی، جس کی رو تمام قویٰ و حواس پر آناً فاناً دوڑ گئی۔ خدا جانے حضرت ابوذرؓ نے کیا دیکھا۔ سامنے سے کیا چیز تڑپ کر نکل گئی، مگر فوراً کچھ سوچ کر آپ یکایک تھم

(۱) طبقات ج/۶، ص/۱۶۳ (۲) طبقات اور صحیح مسلم

(۳) بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر نے حضرت انیس کو جانے کا حکیم دیا تھا لیکن مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انھوں نے سبقت کی، میں نے دونوں میں تطبیق دی ہے کہ یہ اجازت کے لئے امر تھا نہ کہ ابتدائی۔

گئے اور خود ساختہ طمانیت و سکون طاری کرتے ہوئے۔ (بجنسہٖ اس طرح جس طرح ایک بدنام و ناکام کوچۂ محبوب سے روکا گیا ہو۔ اور آنے جانے والوں سے کسی کی خیریت و صلاح اجنبی انداز سے ساتھ پوچھتا ہے)۔ انیسؓ کو آپ نے اجازت دی اور اصل مقصد کو، جس بے غرضانہ اسلوب، مگر دل دوز لفظوں میں ادا کیا ہے، میں اسے بجنسہٖ بخاری سے نقل کرتا ہوں۔

"إركب إلى هذا الوادي فاعلَم لي عِلمَ هذا الرجل الذي يزعم أنه نبيّ يأتيه الخبر من السماء واسمعه من قولِهٖ ثم ائتني". (۱)

ترجمہ: اس وادی مکہ کو جاؤ کوئی مضائقہ نہیں مگر ہاں میرے لئے یہ کرتے آنا کہ جو اپنے کو نبی خیال کرتا ہے اور کہتا ہے آسمان سے اس کے پاس خبریں آتی ہیں۔ ذرا اس کی حالت دریافت کرنا، سننا کہ وہ کیا کہتا ہے (یہ کرکے) پھر آنا۔

ادھر حضرت انیس تو مکہ کو روانہ ہوئے، ادھر ایک شعلۂ انتظار تھا، جو ان کے رخصت ہوتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے دل و جگر میں بھڑکنے لگا۔ رہ رہ کر اس کی شدت بڑھ رہی تھی حتیٰ کہ اس سختی کو آپ اسلام کے بعد بھی نہ بھولے تھے۔ اپنی داستان سناتے ہوئے فرما دیتے:

"فَرَاثَ عَلَيَّ" (۲)

''انیس نے بہت دیر لگائی''

بہر کیف دیر ہوئی تھی یا نہیں، لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر یہ وقت بہت گراں گزرا اور شاید اس سے زیادہ شکایت تراخی کی انھوں نے کبھی نہیں کی۔

حضرت انیسؓ واپس ہوئے، ایک معمولی انداز کے ساتھ ملے۔ اور پھر پوچھا کہ اتنی دیر تم نے کہاں لگائی۔'' حضرت انیس نے فرمایا کہ ''اسی آدمی سے ملنے میں دیر لگی۔ اس

(۱) بخاری

(۲) طبقات، ج:۱/ص:۲۲۰

کا طریقہ کار وہی ہے جو آپ کا ہے۔ اور وہ اچھی عادتوں کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ وہ اپنے کو رسول گمان کرتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا مکہ والے ان کو کیا کہتے ہیں۔ کیسا آدمی سمجھتے ہیں۔ انیس رضی اللہ عنہ نے کہا اُسے کوئی شاعر کہتا ہے اور کوئی کاہن کہتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس موقع پر غایت نشاط و مسرت کے ساتھ اپنے اسلام کی حالت بیان کرتے ہوئے خاص اس مقام پر فرمایا کرتے تھے:

’’انیس (رضی اللہ عنہ) حالانکہ ایک اچھا شاعر تھا، مگر اس نے یہی کہا کہ صاحب! میں نے ایک اچھے شعر کے اوزان پر ان کے شعروں کو خوب جانچا، شعر تو وہ یقیناً نہیں ہیں، رہا کاہن، تو میں سیکڑوں سے ملا ہوں، ان کی باتیں سنی ہیں، لیکن اس شخص کے کلام کو ان کی گفتگو سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ قسم خدا کی وہ سب کے سب جھوٹے ہیں، یقیناً یہ سچا ہے۔‘‘(۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا کیا حال ہوا، پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ ناصح جب دل گرفتوں کا ہم خیال وہم دم ہوجاتا ہے تو اس وقت اطمینان کی جو خنکی دلوں میں محسوس ہوتی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے سینہ کو اسی سے معمور سمجھنا چاہئے۔

حضرت انیس رضی اللہ عنہ کے خیال کے اس انقلاب نے ان کے تمام غم غلط کردیئے۔ اور ایک مسرورانہ لہجہ میں فرمایا:

"مَا شَفَّيْتَنِي مِمَّا أَرَدتُّ". [بخاري]

’’(ہم مرض کا علاج چاہتے ہیں)، تم اس کی شفا نہیں لائے (اور کہاں لاسکتے تھے)‘‘۔

اس کے بعد کہا کہ انیس رضی اللہ عنہ!

"أَكْفِنِي حَتَّى أَذْهَبُ فَانْظُرُ" [طبقات]

(۱) صحاح طبقات تمام واقعات

’’تم میری جگہ اب گھر رہو، ذرا میں جاتا ہوں تاکہ میں بھی خود دیکھوں کہ (کون ہے کہ ساری تڑپ و بے چینی اسی ایک نظر کے لئے تھی اور آہ کہ اس وقت تک کتنوں کو ہے)‘‘۔

سفر مکہ مکرمہ:

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ اس وقت کیا کرتے تھے، لیکن شیراز کے بلبل نے صدیوں کے بعد اس اشتیاق و بے چینی کی تصویر ان لفظوں میں کھینچی ہے، جس کا نقل کرنا اس موقع پر ناموزوں نہیں:

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم	راحتِ جاں طلبم وز پئے جاناں بروم
چوں صبا بادلِ بیمار وتن بے طاقت	بہ ہواداری آں سرو خراماں بروم
دلم از وحشتِ زندانِ سکندر(۱) بگرفت	رخت بہ بندم وتاملکِ سلیماں بروم
دررہِ او چو قلم گر بسرم باید رفت	با دلِ دردکش ودیدۂ گریاں بروم
نذر کردم کہ گر ایں غم بسر آمد روزے	تا درمیکدہ شاداں وغزل خواں بروم
بہ ہوا داریٔ او، ذرہ صفت رقص کناں	تالبِ چشمۂ خورشیدِ درخشاں بروم

آخر وہ ذرہ اُڑا، جو غفار کے خانوادہ میں چشمۂ خورشید سے ملنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ محمد بن اسماعیل بخاری اور محمد بن سعد کاتب الواقدی راوی ہیں کہ اس کی پیٹھ پر ایک چھوٹی سی سیاہ مشک پانی سے بھری لدی ہوئی تھی اور زنبیل میں تھوڑے سے مقل (۲) کے دانے تھے، تلاش محبوب میں تن تنہا حجاز کے ریگستانوں کو طے کرتے ہوئے وہاں جا رہے تھے، جہاں جانے کے بعد پھر انھیں کسی جگہ جانے کی ضرورت نہیں پائی۔

(۱) سکندر کی اولوالعزمیاں سراسر مال وجاہ کے تابع اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت فقط باعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تھی، حافظ اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

(۲) مقل کے ایک عام معنی گوگل کے ہیں، جو دھونی اور بخورات میں استعمال کئے جاتے ہیں، لیکن اس کے معنی اور بھی ہیں، صاحب تاج العروس لکھتے ہیں کہ روم کے پھل کو بھی کہتے ہیں جو کھجوروں کے مشابہ ہوتا ہے، غیاث نے بیروں کے مشابہ بتایا ہے اور یہی یہاں مراد ہے۔ واللہ اعلم

جذبۂ شوق نے منزل کو........آسان کیا، اور سامنے مکہ کا سواد نظر آیا۔ نہیں بتایا جاسکتا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پہلے بھی کسی افق سے امید کی صبح کو اس طرح طلوع ہوتے ہوئے دیکھا تھا یا نہیں۔ آج وہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تو نہیں ہیں، لیکن جگر سوختوں سے اب بھی پوچھ سکتے ہو، جن کے سامنے قبۂ خضراء اپنے مسکراتے ہوئے ناصیۂ جمال سے یکا یک ظاہر ہوتا ہے اور شغدف والے اس پر تڑپ تڑپ کر کبھی اپنی جانوں کو کھو بیٹھتے ہیں۔ فالحیوۃ حیاتھم والمماتُ مماتھم .

اس مستی کو مجھ سے نہ پوچھو، کہ میری ایسی قسمت کہاں ہے، وہ بتاسکتے ہیں جو "رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ(۱)" کی گل بیزیوں سے وارفتہ ہوکر

واعظ مکن نصیحت ما شوریدگاں کہ ما
با خاک کوئے دوست بفردوس بنگریم

چلاتے ہیں۔ آہ! کہ جن کی آخری تمنا

زاں پیشتر کہ عمر گراں مایہ بگذرد
بگذار تا مقابل روئے بگذاریم !

کے علاوہ کبھی بھی کچھ نہیں رہی۔ فَطُوبیٰ لَهُمْ وَحُسْنَ مَآبٍ وَيَرزقني اللّٰهُ الاقتداء بهم۔

بہر کیف شیفتہ نادیدہ کا مکہ میں داخلہ ہوا، اس دیار میں آپ کی کسی سے جان پہچان کب تھی، سامنے حرم نظر آیا، سیدھے اسی طرف تشریف لے گئے اور ایک بے کس مسافر کی طرح خدا جانے جیسے کسی کے انتظار میں ہیں، کہیں کونے میں پڑ رہے۔

مکہ مکرمہ میں تیس دن:

حرم میں قریش عموماً اکثر ہی آتے جاتے رہتے تھے اور ہوسکتا تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت جلد کسی سے دریافت کرکے اس آستانہ تک پہنچ جاتے جس

(۱) جامع صغیر ج:۶/ص:۱۳۵

کے لئے قبیلۂ غفار سے کھینچ کر وادئ بطحا اور وہاں سے حرم تک لائے گئے.........لیکن یہ طبع غیور کو گوارہ نہ تھا کہ (اس) احسان کو جس سے زیادہ گراں بار احسان ممکن نہیں، بت پرستوں کے وسیلے سے سر پر رکھا جائے۔ بخاری میں ہے:

"فالْتَمَسَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم و كرهٗ"

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ڈھونڈا۔ مگر اس کو ناپسند کرتے ہوئے کہ کسی سے پوچھیں''۔

آپ کو یقین تھا کہ وہ مجھ سے چھپ نہیں سکتے، نگاہیں تاڑیں گی، دل پہچانے گا، اسی تلاش میں دن گزرتا جاتا تھا، لیکن کوئی پرواہ نہیں، حتیٰ کہ مقل کے دانے جو کچھ ساتھ تھے وہ بھی ان کے پاس نہیں رہے، زنبیل خالی تھی، گرہ میں دھیلا نگ نہیں تھا، بھوک نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے چین کردیا تھا، بہت ممکن تھا کہ استقلال کے پاؤں اس وقت ڈگمگا جاتے، آپ کے آن ٹوٹ جاتی، لیکن یہ سرمستی ایسی نہ تھی جو بھوک کی ترشی سے اتر سکتی، آپ نہایت اطمینان کے ساتھ اٹھتے اور زم زم کی چند چلو سے تھوڑی دیر کیلئے اسے بجھا دیتے۔ پھر اگر ستاتی تو اس سے زیادہ جواب آپ کی طرف سے ۳۰/دن کے عرصہ میں کبھی نہیں دیا گیا کہ ڈول کھینچا، اور چند گھونٹ حلق کے پار کرلیا اور بس!

غرض کہ اسی طرح جب صبح کا آفتاب طلوع ہوتا تھا تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہیں اس کی روشنی میں صرف آفتاب کو تلاش کرتی تھیں جس سے روح کی رات دن ہوتی تھی۔ رات ہوتی تو اس کی اندھیریوں میں آپ کی نظریں اس تارے کو ڈھونڈتیں جس نے سینکڑوں بھٹکے ہوئے قافلوں کو سیدھی پگڈنڈی پر ہمیشہ کے لئے لگادیا۔ انتظار تھا جو ختم نہیں ہوتا تھا۔ فراق تھا، جس کی جگر سوزی آناً فاناً بڑھ رہی تھی۔

قریش کا ظالمانہ برتاؤ:

ایک دن اسی درمیان میں آپ کو خیال گزرا کہ جس کو ڈھونڈتا ہوں اگر وہ نہیں

ملتا تو چلو! اس کے کسی غلام سے پتہ پوچھیں۔ غیرت کا تقاضا اگر ہے تو صرف کفاروں تک محدود ہے، لیکن اگر ان کی جماعت کا کوئی آدمی مل جائے تو اس سے پوچھنے میں کیا مضائقہ ہے۔

غرض یہ سوچ کر تاک میں رہے۔ اتفاق سے ایک مجہول الحال آدمی حرم میں داخل ہوا، چوں کہ فلاکت زدہ تھا، سراغنۂ قریش نے شاید اس کی طرف سے بے التفاتی برتی ہوگی۔

آپ نے قیاس کیا کہ اس جماعت کا جو حال بیان کیا جاتا ہے، وہ اس شخص سے بہت مطابق ہے، اس سے دریافت کرنا چاہئے۔

قریب پہونچے اور پوچھا:

"أَيْنَ الذِيْ تَدْعُونَ الصَّابِيُ"

''جس کو تم لوگ صابی کہتے ہو وہ کہاں رہتا ہے۔''

لیکن یہ دراصل آپ کو دھوکا ہوا، وہ واقعہ میں کفار کے گروہ کا آدمی تھا۔

اس وحشت ناک سوال کے سنتے ہی اُس کا ماتھا ٹھنکا، بلکہ یقین ہوگیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کا آدمی ہے، جواب تو کیا دیتا، یکایک اس نے چیخ ماری:

"هذا صابي"

''ارے یہ صابی ہے۔''

قریش اس وقت مسلمانوں کی طرف سے بھرے ہوئے تھے، ہر شخص گوش برآواز رہتا تھا، اس کی آواز بجلی بن کر کافروں میں کوندی، پھر جو حشر ہوا، وہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی سنو!

"فَمَالَ عَلَيَّ الْوَادِيْ بِكُلِّ مَدَرَةٍ وَعَظْمٍ فَخَرَرْتُ مَغْشِيًّا عَلَيَّ." (۱)

''ڈھیلے، ہڈیاں اٹھائے مکہ والے مجھ پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر

(۱) طبقات وصحیح مسلم

مارا کہ چکرا کر گر پڑا۔''

محبت کی امتحان گاہ میں غفار کا ایک رئیس و بہادر سردار بصد مظلومی و بے کسی خدا کے سامنے حرم میں بت پوجنے والوں کی لاتوں سے روندا جا رہا تھا۔ لیکن عشق کے فرشتے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کو تھامے ہوئے تھے.......... ہوش آیا، خدا جانے کس وقت آیا، اور کتنے مظالم کے بعد آیا۔ مگر جب آیا تو آشفتہ سری بحال تھی، بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ اور زیادہ تیز ہوگئی تھی۔ خود فرماتے تھے اور نہایت شگفتگی سے فریاد کرتے۔

"فارتفعتُ حين ارتفعتُ كأنّي نُصبٌ أَحْمَرُ فاتيتُ زمزم فشربت من مائها وغسلت مني الدماء." (۱)

''پھر میں اٹھا جس وقت اٹھا، گویا میں ایک سُرخ لاٹ تھا، (یعنی خون میں نہائے ہوئے تھے) اسی وقت زمزم آیا پانی پیا، اور خون دھویا۔''

بدن سے خون نکل رہا ہے۔ کپڑے لہو میں لت پت ہو گئے ہیں۔ لیکن نہ کسی کی شکایت ہے او نہ گلہ، نہایت اطمینان سے زم زم پر آئے، پانی پیا، خون دھویا، ارادہ کی مضبوطی میں کوئی تغیر نہیں کہ وہاں خیال ہی اور تھا

حافظ چورہ بکنگرہ کاخِ وصل نیست
باخاک آستانۂ ایں در بسر..... بریم!

رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وضع داری کا ایک وہ زمانہ تھا کہ ماموں کی معمولی سی شکایت پر آپ نے ہمیشہ کے لئے ان سے قطع تعلق کرلیا۔ اور آج محبت کی کرشمہ سازیوں کا نظارہ اسی آسمان کے نیچے کیجئے! کہ پتھر مارے جاتے ہیں، ہڈیاں پڑتی ہیں، لہو بہتا ہے دھکے دیئے جاتے ہیں، لیکن پاؤں نہیں ہلتا، حرم کے دروازے سے ''پندارم توئی'' کی امید میں نگاہ انتظار نہیں ہٹتی، احساس تک نہیں، کیا ہوا اور کیا گزری۔

(۱) طبقات وغیرہ

"أُولٰـئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلَامًا."

''یہی لوگ ہیں جن کی ''غرفہ'' کے ساتھ (جنت میں) داخل کیا جائے گا۔اوراس میں پائیں گے سلام وتحیّت۔''

کہا جاتا ہے کہ ''مجاہدات'' کی کوئی اصل نہیں۔حتیٰ کہ میں نے بعضوں سے یہ بھی سنا ہے کہ صلاۃ خمسہ میں خشوع اور خضوع کی ضرورت نہیں۔اور دلیل بیان کی جاتی ہے کہ صحابہؓ سے یہ باتیں منقول نہیں ہیں۔حالانکہ اوّلاً یہ سراسر غلط ہے،آثار وحدیث سے ہم قطع نظر بھی کرلیں تو قرآن کی یہ آیتیں:

"وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا."

''جو سر ٹیکے اور کھڑے کھڑے رات گزارتے ہیں، اپنے پروردگار کے لئے۔''

کس کا حق ہے،اگر صحابہؓ اس کے مصداق نہیں تھے تو اور کون دعویٰ کرسکتا ہے۔یا مثلاً:

"إِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ، وَكَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ، ط وَ بِالْأَسْحَارِهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ، وَفِيْ أَمْوٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ."

''اس سے پہلے یہ اپنے اعمال کو خوبصورت بنانے والے تھے بہت تھوڑی رات سویا کرتے تھے اور پچھلی رات کو اٹھ کر گناہوں کی بخشش طلب کرتے تھے،ان کے مالوں میں مانگنے والے اور محروم کے حق تھے۔''

"والذين جاهدوا فينا" کے مجاہدہ کی یہ تفصیل الٰہی نہیں تو اور کیا ہے۔صحیح ہے کہ بلاخضوع کے نماز کا بوجھ گردن سے ٹل جاتا ہے،لیکن کس نے کہا کہ آخرت کی مصیبت بھی ایسی نمازوں سے ٹلنے والی ہے۔حالاں کہ عذات دینے والا تو فرماتا ہے:

"قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ."

''کامیاب ہوئے وہ مؤمنین جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔''

تو کیا اس افلاح کو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نہیں ڈھونڈتے تھے؟ اور بالفرض اگر مان بھی لیا جائے (حالاں کہ نہیں مانا جاسکتا) کہ صحابہؓ میں مجاہدات کا رواج نہ تھا تو حق یہ ہے کہ جن سربازوں نے اسلام سے پہلے ہی اپنے کو اس طرح مٹایا تھا،جس کی ادنیٰ نظیر یہی واقعہ ہے اور ابھی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوانح میں اور آنے والے ہیں ان کے لئے کسی دوسرے ''مجاہدہ'' و''ریاضت'' کی شاید ضرورت بھی نہ تھی۔

لیکن جو ابتدائے اسلام سے اس وقت تک ''سبیل اللہ'' کے کسی شعبہ میں آزمایا نہیں گیا۔کیوں کر ان دعووں کو زبان تک لاسکتا ہے جس کو میں سنتا ہوں اور ان کی عقل پر عقیدۃً اور اپنی عقل پر عملاً ہنستا ہوں۔

بہر حال تیس دن کی اس طویل مدت میں علاوہ اس واقعہ کے اور کیا کیا حوادث وقوع پذیر ہوئے، مجھے اس کی تفصیل زیادہ نہ معلوم ہوسکی اور جو کچھ معلوم ہیں بھی،ان میں ظاہرًا سخت تعارض ہے حتیٰ کہ علامہ قرطبیؒ کو مجبور ہو کر لکھنا پڑا:

"وفي التطبيق بين الروايتين تكلف شديد."(۱)

''دونوں روایتوں میں تطبیق دینے میں سخت تکلف ہے۔''

حافظ ابن حجرؒ کے مشورہ سے یا روایات کے تتبع سے جس نتیجہ تک پہنچا ہوں اس کی ترتیب درج ذیل ہے۔

پہلا واقعہ:

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حادثہ کے بعد بھی حرم محترم کو نہیں چھوڑا جو دھن تھی وہ بندھی رہی۔ایسا معلوم ہوتا ہے انہی دنوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ادھر گزر ہوا۔اگرچہ آپ کی عمر بہت تھوڑی تھی،لیکن قیمت کی بہتری میں اس

(۱) فتح الباری جزء ۲۵ مطبوعہ انصاری ص/۴۴۰

وقت میں کیا کلام ہوسکتا ہے، آپ نے دیکھا کہ ایک طرف شکستہ حال مسافر پڑا ہوا ہے۔ آپ کو رحم آیا۔ قریب آ کر دریافت کیا۔

"مِمَّنُ الرَّجُلُ."

"کہاں کے آدمی ہو"۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"رجل من بني غفار."

"قبیلۂ غفار سے ہوں۔"

فرمایا کہ:

"قُمْ إِلیٰ مَنْزِلِكَ."

"اپنی فرودگاہ کو تشریف لے چلیں۔"

مقصود یہ تھا کہ میرے گھر چلیں، مسجد میں تکلیف ہوگی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوں کہ دھوکہ اٹھا چکے تھے۔ اظہارِ مدّعا تو مناسب نہ جانا۔ اٹھے اور چپ چاپ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ساتھ گھر تک پہونچے۔ خود فرماتے ہیں کہ نہ انھوں نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے کچھ کہا۔

صبح ہوئی اور سیدھے حرم پہونچے۔ اپنی زنبیل اور مشک رکھ کر مکہ کے کوچۂ و بازار میں شام تک مصروف جستجو رہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ مغرب کے بعد پھر حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تشریف لائے، دیکھا کہ مسافر ابتک موجود ہے۔

آپ نے پھر فرمایا:

"أَما آن لِلرجُلِ أن يعرفَ منزلهُ؟"

"کیا آدمی کے لئے اپنی فرودگاہ تک جانے کا وقت نہیں آیا۔"

آپ اٹھے اور بجنسہ اسی خاموشی کے ساتھ آج کی رات بھی گزر گئی۔ ایک دوسرے کو کیا معلوم کہ دنوں ہی ایک ہی فتراک کے نخچیر ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر صبح ہوتے ہی حرم میں آ دھمکے اور دن بھر گھومتے رہے، لیکن قسمت چلا رہی تھی کہ "جا! اور وہیں حرم میں بیٹھ دیکھ! کہ کیا ہوتا ہے؟"

دوسرا واقعہ:

قیاس کا مقتضی ہے کہ آج کسی خاص ضرورت نے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حرم یا دولت بیدار کی طرف آنے کی فرصت نہ دی، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتظار کیا ہوگا، لیکن جب مایوس ہوئے تو وہیں کہیں پڑ رہے، سونے کے ارادہ سے لیٹے، مگر نیند نہیں آتی تھی۔ بے چین آج زیادہ تھے، حتی کہ جب رات بھیگ گئی اور شہر میں سنّاٹا ہوگیا، لوگ پڑ کر سو رہے، اس وقت رحمت سماویہ جھکی، اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ٹوٹے ہوئے دل کو جو واقع میں نہیں ٹوٹا تھا، اس نے اپنے آغوش میں اٹھالیا۔ مسافروں کے ہنگامۂ آہ و بکا، بچوں کی نالہ وزاری نے جس مبتداء کو غفار کی سڑک پر پیدا کر کے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ کی تمام تر غارت گریوں کو کاروانوں سے پھیر کر خود ان کی آسائش ولذائذ، ارمان وخواہشات کے قافلوں کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ خدا جانے کتنی دراز مدت کے بعد اس کی خبر آج نکلتی ہے، اس رات کے منظر کو خود آپ ہی کی زبانی سننا چاہئے:

فرماتے ہیں:

"فبينما أَهلُ مَكّةَ فِي لَيلَةٍ قَمراءَ أَضحيان، إِذْ ضَرَبَ اللّهُ اصمختهم فما يطوفُ بالبيتِ أحدٌ منهم غيرَ إمرأتين."(۱)

"چاندنی رات خوب روشن تھی، اہلِ مکہ اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ یکایک خداوند تعالیٰ کی زبردست قدرت نے تھپکیاں دیکر انھیں سلا دیا۔ (سناٹا سا ہوگیا تھا) حتی کہ بیت اللہ کے طواف کرنے والوں میں بھی اس وقت دو عورتوں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔"

---

(۱) صحیح مسلم وطبقات

یہ عورتیں کعبہ کے گرد گھوم گھوم کر ''اساف ونائلہ'' (۱) سے مانگ رہی تھیں خدا جانے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیا سوجھی کہ جس کونے میں پڑے ہوئے تھے وہیں سے آواز دی۔

''أَنْکِحا أَحَدَهُما الاٰخرَ.''

ایک کا دوسرے سے نکاح کر دو۔''

مقصد یہ تھا کہ ارے بتوں سے کیا مانگتی ہو۔ بزعم تم لوگوں کے وہ خود فراق میں تڑپ رہے ہیں۔ ہاں اگر دونوں کو بیاہ دو گی تو ممکن ہے کہ تمہیں سنیں۔

اس طنز آمیز آواز کو خاص کعبہ سے سنتے ہی یکا یک وہ ضرور رکیں، چوکیں۔ مگر ''یا اساف یا نائلہ'' کی آواز بلند ہوتی رہی، آخر جب طواف کرتے کرتے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب پہنچیں فوراً اپنی آنکھیں بند کر لیں اور انھیں سویا ہوا دیکھکر اور کچھ اس ڈر سے بھی کہ مرد ہے اگر چھیڑتی ہوں تو ممکن ہے کہ بری طرح خبر لے۔ صرف گالیاں دیتیں اور ''لو کانَ هٰهُنامِن أنفارنا أَحَدٌ'' (کاش میری جماعت کا کوئی آدمی یہاں ہوتا تو اس کی خبر لیتا۔) بڑبڑاتی ہوئی روانہ ہوگئیں، دونوں آپس میں یہی ذکر کرتی ہوئیں ایک پہاڑی پر چڑھیں، اس سے اتر رہی تھیں کہ سامنے سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرم کی طرف تشریف لا رہے تھے،

---

(۱) اساف ونائلہ، جاہلیت کے دو مشہور بت ہیں، مشہور تھا کہ یہ دونوں دراصل پہلے آدمی تھے اساف مرد تھا، اور نائلہ عورت تھی، دونوں قبیلۂ جرہم سے تعلق رکھتے تھے، یمن ان کا وطن تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اساف نائلہ پر فریفتہ ہوگیا۔ نائلہ نے بھی جب اس کے حسن و جمال کو دیکھا تو دل دے بیٹھی۔ صورت حال دونوں کو یمن میں ملنے سے مانع تھیں۔ آخر مکہ معظّمہ میں حج کے حیلہ سے آئے، جاہل عربوں کا عہد تھا کہ یکا یک دونوں کو حرم میں تنہائی مل گئی اور وہیں امرِ شنیع کے مرتکب ہوئے۔ اس پر خدا کا غضب نازل ہوا اور دونوں پتھر ہوگئے۔ عبرت کے لئے لوگوں نے ایک کو صفا پہاڑ پر اور دوسرے کو مروہ پہاڑ پر رکھدیا۔ عمر بن لحی خزاعی نے جب عرب میں بت پرستی پھیلائی تو خاص کر ان دونوں کو اس نے بہت اہمیت دی۔ قصّی نے اپنے زمانہ میں ان کو پہاڑ سے اُتار کر ایک کو کعبہ سے لگا دیا اور دوسرے کو چاہِ زمزم پر نصب کر دیا تھا۔ زمانے سے عرب جاہل ان کی پرستش کرتے تھے۔ آخر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ان سے خدا کے گھر کو پاک کیا۔ ممکن ہے عربوں کے اس بیہودہ فسانہ پر تعجب ہو، لیکن واقعہ یہ ہے کہ بت پرستوں کے ہاں یہ باتیں عام ہوتی ہیں۔

یہ عورتیں کسی کو نہیں پہچانتی تھیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشِ اقدس تک ان کی گفتگو کے چند سخت الفاظ پہنچ چکے تھے، آپ نے بڑھ کر دریافت فرمایا:

''مَا لَکُمَا؟'' ''تم دونوں کا کیا حال ہے (کیا واقعہ ہوا)''

عورتیں: کیا کہوں، صابی (۱) کعبہ اور اس کے پردوں کے درمیان پڑا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا، پھر اس نے کیا کہا

عورتیں: کیا کہا، زبان تک لانے کی بات نہیں ہے۔ بس بری بات بک رہا ہے.......

اس گفتگو کے بعد وہ تو گھر کی طرف روانہ ہوئیں، آپ اور یہ دونوں کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیند عورتوں کی اس ظرافت سے اور بھی اچٹ گئی تھی........ چپ چاپ ایک گوشے میں منتظر تھے کہ دیکھیں یہ عورتیں کیا گل کھلاتی ہیں، کہ یکا یک سامنے سے دو جسم متحرک نظر آئے۔ حضرت ابوذر ؓ کی نگاہ جم گئی۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ کب تک جمی رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف بھی کیا۔ حجر اسود کو بوسے بھی دیئے۔ نمازیں بھی پڑھیں۔ لیکن کچھ خبر نہیں کہ اس وقت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ششدر و حیران نگاہوں نے کیا دیکھا، دماغ نے کیا سمجھا، البتہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو نیاز و عقیدت کا ایک پیکر مجسم سامنے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا:

السلام علیک یا رسول اللہ!

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ فرما کر پوچھا۔

''مِمَّنْ أَنْتَ.''

''تم کس قبیلے کے آدمی ہو؟''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

''مِنْ غِفَارٍ.''

''یعنی قبیلۂ غفار سے ہوں۔''

---

(۱) کفار قریش مسلمانوں کو اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہا کرتے تھے۔ یعنی دین حق سے پھرا ہوا۔

یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر پکڑ لیا:

"فَأَهْوَىٰ بِيَدِهِ إِلىٰ جَبْهَتِهِ."

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو پیشانی کی طرف جھکایا۔

رائیں مختلف ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انتسابؑ کو ناپسند فرمایا، جیسا کہ خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی شرح میں مروی ہے:

"قُلْتُ فِي نَفْسِي كَرِهَ إِنِّي إِنْتميتُ إِلىٰ غِفَارٍ."

''میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید غفار کی طرف میرے انتسابؑ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا۔''

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم متعجب ہوئے اور یہ فعل محض اظہار تعجب کے لئے تھا۔ طبقات کی ایک دوسری روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے:

"فَعَجِبَ النبي صلى الله عليه و سلم أنهم يقطعونَ الطريقَ فجعلَ النّبي صلى الله عليه و سلّم يرفع بصره فيه ويصوبه تعجّبًا من ذلك لما كان يعلم منهم." (۱)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوا کہ غفار تو رہزنی کرتے ہیں (ان میں ایسا شخص کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر متعجب ہو کر اپنی نگاہ ان پر ڈالی اور کبھی جھک کر دیکھتے کیوں کہ غفاریوں کے حالات سے واقف تھے۔''

اس صورت میں جملہ

"فَاهوىٰ بِيَدِهِ إِلىٰ جَبْهَتِهِ."

(۲) طبقات میں ہے کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إنّ الله يهدي من يّشاءُ" خدا جس کو چاہے ہدایت کرے، طبقات، ج:۴/ص:۱۶۴

''دست مبارک کو اپنی پیشانی پر رکھ کر۔''

سے یہ مقصود ہوگا کہ آپ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بغور ان کو دیکھنے لگے، واللہ اعلم۔ ایک صاحب دل کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اول ہی میں آپ کو پہچان لیا تھا۔ لیکن حسرت کی نگاہ سے دیکھا کہ ابھی مراحل سلوک میں اس غفاری فرہاد کو شبِ ہجر کا ایک بے سکوں شب کاٹنا اور بھی باقی ہے، واللہ اعلم۔ اور کچھ یوں ہی ہوا بھی کہ اس رات میں ''اسلام'' و''ایمان'' کا کوئی ذکر نہیں آیا، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصداً یہ معاملہ ٹال دیا گیا۔ طبقات میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے کہ دست مبارک پر کلمہ پڑھیں، لیکن حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، خود ان کا بیان ہے:

"فذهبت أخذ بيدِهِ فقد عني صاحبه و كانَ أعلمُ بِهِ منّي." (۱)

''میں چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑ لوں لیکن ان کے ساتھ نے مجھے روک لیا وہ یہ نسبت میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت سے زیادہ واقف تھے۔''

بادی النظر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوں کہ ابھی تک ان سے مطمئن نہ تھے، اس لئے ایسا کیا، لیکن کسی اور پہلو کو پیش نظر رکھ کر اگر یہ کہہ دیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے ایسا کیا گیا کہ طئ منازل کی ایک سیڑھی یہ بھی تھی تو کیا مضائقہ ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی ضیافت:

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ تم یہاں کب (۲) سے ہو؟، آپ نے فرمایا تقریباً تیس راتیں یہاں گزر گئیں۔ حضرت

(۱) ج/۴،ص/۱۶۲

(۲) صاحب دل کا خیال ہے کہ یہ کیوں نہیں پوچھا کہ یہاں کس لئے آئے؟ یہ کہا کہ کب سے ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی مقصد کو اس وقت درمیان میں لانا ہی منظور نہیں

ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

صدیق نے فرمایا کہ تمھیں کھلاتا کون تھا؟

چوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں صرف سونے کے لئے کچھ رات گزرتے ہوئے دودن سے جایا کرتے تھے اور آپس میں کسی قسم کی گفتگو بھی نہیں ہوئی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں کھانیکی مہمان داری نہیں ہوتی تھی، بہر کیف! حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ ایک زمانے سے میری گزر صرف زمزم کے پانی پر ہے اور اس پانی کی ایک عجیب خاصیت بیان کی، فرماتے ہیں:

"فسَمَـنُـتُ حتَّى تكسرَت عكنَ بطني فما وجدتُ
علىٰ كبدِي سخفة جوعٍ. (۱)

"میں موٹا ہوگیا، حتیٰ کہ پیٹ کی شکن لٹک گئی۔ (زیادہ فربہی میں ایسا ہوجاتا ہے) حتیٰ کہ اپنے جگر پر میں بھوک کے ضعف کا کوئی اثر نہیں پاتا تھا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر فرمایا:

"إنَّها مُبارِكةٌ إنَّها طعامُ طَعُمْ."

"اس میں برکت دی گئی ہے اور سیر کرنے والی غذا ہے۔"

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "مجھے اجازت دیجئے کہ میں آج کی رات انھیں اپنا مہمان بناؤں!"
آپ نے اجازت دیدی۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو ساتھ لیکر گھر لائے، دروازہ کھولا، اور طائف کی کشمشیں ان کے حوالے کیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا کھانا تھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں مجھے نصیب (۲) ہوا۔

اسلام لانا:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صبح ہوتے ہیں پھر حرم میں آگئے، جب رات ہوئی تو آج

(۱) صحیح مسلم (۲) صحیح مسلم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور اپنے ساتھ لیکر گھر پہنچے، مگر یہ اسی طرح ساکت وصامت ہیں۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا، اور فرمایا:

"مَا الَّذِيُ إِقْدَمَكَ."

"آخر تم کو کیا چیز یہاں لائی، کس ضرورت سے آئے ہو"

گزشتہ رات باوجود اور سب کچھ ہوجانے کے چوں کہ ان کے لئے کچھ نہ ہوا تھا، اس لئے دل بھرا ہوا تھا۔ پیمانۂ صبر چھلک پڑا، بولے کہ اگر عہد کرتے ہو تو بتاؤں۔"
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عہد کیا۔ آپ نے کہا: "اگر تم میری راہ نمائی کرسکو(۱)۔" جب کہوں گا۔ انھوں نے حتی الوسع اس کا بھی وعدہ کیا۔ آپ نے فرمایا، کہ "میں نے سنا تھا کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں یہ سنکر میں نے اپنے بھائی کو دریافت حال کے لئے بھیجا۔ لیکن اس نے کچھ.......... تشفی بخش خبر مجھے نہیں سنائی۔ آخر میں اس شخص سے ملنے آیا ہوں (۲)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی باچھیں کھل گئیں۔ خدا جانے کیا کیا کہا (۳)۔ تاہم بخاری میں اس قدر موجود ہے:

"قال فإنه حق وهو رسول الله فإذا أصبحت فاتبعني
فإني إن رأيت شيئا أخاف عليك قمت كأني أريق الماء فإن
مضيت فاتبعني حتى تدخل مدخل." (۴)

"یہ بالکل سچ ہے کہ وہ اللہ کے پیغبر ہیں جب صبح ہوتو تم میرے ساتھ چلو۔ راستے میں اگر ایسا واقعہ نظر آئے (مثلاً کوئی کافر سامنے آئے) کہ جس میں مجھے خطرہ معلوم ہوتو بیٹھ جاؤں گا گویا پیشاب

(۱) از بخاری (۲) طبقات ابن سعد ج/۱۲/ص/۱۶۵
(۳) طبقات کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے رشتۂ عقیدت کو ظاہر کیا۔
(۴) بخاری

کر رہا ہوں (تم چلتے چلنا) پھر جدھر میں جاؤں چلے جانا، حتیٰ کہ جہاں
داخل ہوجاؤں تم بھی وہاں آجانا۔"

صبح ہوئی دونوں ساتھ چلے، آگے آگے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پیچھے پیچھے ان کے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس آستانے کی طرف جارہے تھے، جس کی غلامی کا تب ازل نے ان کی پیشانی میں لکھ دی تھی۔ راستہ میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، حتیٰ کہ وہ دروازہ سامنے آگیا، حضرت علی اور ان کے ساتھ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں داخل ہوگئے (۱) ایک چبوترہ پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طلعتِ قدوسی پر ایک چادر ڈالے ہوئے آرام فرمارہے تھے۔ حضرت علیؓ نے اشارہ کیا۔ آپ بے تابانہ دوڑ پڑے اور سلام عرض کیا، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی، فرمایا وعلیکم السلام، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے واقعہ سے متأثر ہوچکے تھے، جانتے تھے کہ کہیں معاملہ پھر نہ ٹل جائے۔ قبل اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ فرمائیں آپ نے فرمایا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں، وہ مجھے سنایئے"! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نہیں کہتا، خدا فرماتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، تو وہی سنایئے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ایک سورہ (نام پر اطلاع نہ ہوسکی) تلاوت فرمائی۔ ادھر سورہ ختم ہوئی اور ادھر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدًا عبدهٗ ورسولهٗ" کے ساتھ ایک چیخ ماری اور جو کچھ ہونا تھا ہوگیا، نہ دلیل تھی اور نہ حجت، صرف حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشکاۃ سینہ میں ایک قندیل تھی جس کے اندر ایک سماوی روغن بھرا ہوا تھا، قریب تھا کہ بھبک اٹھے، آخر بھڑکا کہ پھر کبھی نہ بجھا، اور اس طرح مسلمانوں کے اندر جن کی تعداد کرۂ زمین پر کل چار تھی، ایک کا اور اضافہ ہوگیا (۲)۔

---

(۱) طبقات (۲) طبقات

تھوڑی دیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام کی ....خوشخبری دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو غور کیا تو پہچان کر فرمایا۔

"أليس ضيفي بالأمس."

"کیا وہ شخص نہیں ہے جو کل میرے مہمان تھے۔"

اور جھک کر فرمایا:

"إنْطلق معي."

"میرے ساتھ چلئے!"

ایک زمانہ گزر چکا تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا گھر چھوڑا تھا، کپڑے بالکل میلے ہوگئے تھے، اس وقت حضرت صدیق نے دو کپڑے رنگین وخوبصورت نکال کر دیئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غسل کیا، کپڑے بدلے اور جب تک مکہ معظّمہ میں آپ کا قیام رہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر مقیم رہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں قیام کا زمانہ:

آثار وروایات میں اس کی تصریح تو نہیں ملی کہ آپ کب تک حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت خانہ پر فروکش رہے، لیکن قرائن اور بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمومًا اس عرصہ میں مکہ والوں سے آپ کی ملاقات ہوچکی تھی۔ لوگوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ آپ قبیلۂ غفار کے کوئی ممتاز آدمی ہیں، مثلاً ایک واقعہ بھی ہوا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حالانکہ اس زمانہ میں مشرف بہ اسلام نہ تھے) آپ کو جانتے تھے، کفار کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا:

"ألستم تعلمون إنّه منُ غفار طريق تجّاركم إلى الشّام."

"کیا تم نہیں جانتے ہو کہ وہ قبیلۂ غفار کا آدمی ہے جو تمہارے

شام کے تاجروں کا راستہ ہے۔"

بہر کیف اگر تمام قریش سے آپ کی شناسائی نہیں ہوئی تھی تو خاندان عبدالمطلب میں لوگ آپ کو ضرور جاننے لگے تھے۔ آپ کی زیادہ شہرت کی وجہ میرے نزدیک دراصل وہ واقعہ ہے جس کے راوی صرف محمد بن سعد صاحب طبقات ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے غفاری ہونے کا علم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اسی کے بعد ہوا ہو، وہ روای ہیں کہ جن ایام میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مہمان تھے، اسی زمانہ میں آپ سیر کرتے ہوئے حرم میں آئے، دیکھا کہ پھر ایک عورت طواف کر رہی ہے اور گھوم کر نہایت فصاحت و بلاغت اور عاجزی وخاکساری کے ساتھ دعائیں کر رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دعا ابھی تک مبہم تھی، اس کا پتہ نہیں چلتا تھا کہ کس کو مخاطب کر کے مانگ رہی ہے۔ حرم چوں کہ بیت اللہ تھا، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا ہوگا کہ خدا کو پکار رہی ہے، اوراس پر خوش ہوئے ہوں گے، لیکن جب ختم کر چکی تو اس کے بعد پھر وہی۔ "يَا أَسَافَ يَا نَائِلَةُ" (اے اساف اسے نائلہ) چیخنے لگی۔ آپ سنتے ہی جھلا اٹھے اور بے ساختہ آپ کی زبان سے:

"أنكحي أحدهما صاحبه."

"ایک کا دوسرے سے نکاح کردے"

نکل پڑا۔ چوں کہ دن کا وقت تھا، عورت بلاخوف شور مچاتی ہوئی آپ کے ساتھ لپٹ پڑی اور چلانا شروع کیا۔

"أَنتَ صابِئٌ."

"تو صابی ہے۔"

کفار قریش کی ایک جماعت وہیں موجود تھی "أَنتَ صابِئٌ" کی آواز سنتے ہی حسب عادت دوڑ پڑے، اور جس طرح پہلے مارا تھا، مارنا شروع کیا۔ اتفاق سے بنی بکر کے قبیلہ میں اس کی خبر پہنچی کہ قریش ایک بے کس مسافر کو بری طرح مار رہے ہیں۔ چوں کہ ان دونوں قبیلوں

میں ایک زمانے سے رقیبانہ تعلق تھا، فوراً کچھ جوان آئے اور حرم پہنچے اور نہایت حقارت کے ساتھ قریش کو ڈانٹا، واہ! تمہارے قبیلے میں جو صابی ہیں ان کو تو نہیں مارتے۔ ایک بے چارہ مسافر آگیا، بس سارا نزلہ اسی کی طرف رجوع ہوگیا، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ یہ کہتے ہوئے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ اور ان ظالموں سے نجات دلائی۔ آپ اسی صورت وحالت کے ساتھ دربار نبوی صلی اللہ علیٰ صاحبہا میں حاضر ہوئے اور فرمایا:

"يا رسولَ اللّٰه أما قريش فلا أدعهم حتى أثأر منهم، ضربوني."

یا رسول اللہ! قریش سے جب تک بدلہ نہیں لوں گا، انہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ انھوں نے مجھے مارا۔"

اسلام کی دعوت پر سرفرازی:

مکہ معظّمہ میں اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد پانچ تھی، جن میں پانچویں حضرت ابوذرؓ تھے، ایسے ضعف کے وقت میں آپ کی بہادرانہ شجاعت، مردانہ ہمت کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے۔ اسی وقت خیال گزرا کہ جس عام "تبلیغ" کا ارادہ کیا گیا ہے، اس کا وقت آپہنچا ہے، اسی کے بعد سب سے پہلے پہل اسلام میں جس عمامہ پر اس جلیل عہدہ کا طرہ نصب کیا گیا۔ وہ حضرت غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر بندھا ہوا تھا۔

آپ نے فرمایا:

"إني وجهت إلى أرض ذات نخل ولا أحسبها إلا يثرب فهل أنت مبلغ عني قومك عسى اللّٰه أن ينفعهم بك ويأجرك فيهم."

"میں کھجوروں والی زمین کی طرف متوجہ کیا گیا ہوں اور میں اسے

مدینہ کے علاوہ اور کسی شہر کو خیال نہیں کرتا، تو کیا تم اپنی قوم کو میری طرف سے
تبلیغ کر سکتے ہو ممکن ہے انھیں خدا تم سے نفع پہنچائے، اور تمہیں اجر دے۔"

جس آستانے پہ اتنی تگ ودو کے بعد پہنچے تھے۔ انصاف کر سکتے ہو کہ اس کی دوری ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا ہو سکتی تھی لیکن کیا کرتے جب کہ:

فکر خود ورائے خود در عالم رندی نیست
کفر است دریں مذہب، خود بینی وخود رائی

آخر یہی ہوا کہ آپ دعوت وتبلیغ کے لئے آمادہ ہوگئے، لیکن پھر بھی دبی ہوئی زبان سے فرمایا:

"إنّي منصرف إلى أهلي وناظر متى يؤمرُ بالقتال فالحق بك."

"(اچھا) میں اپنے گھر جاتا ہوں (مگر) انتظار کرتا رہوں گا کہ
جنگ کا کب حکم دیا جاتا ہے، پس اسی وقت آپ سے ملوں گا۔"

مقصود یہ تھا کہ فراق کی گھڑیوں کو کسی خاص زمانہ تک محدود کر دیا جائے، کم از کم اسی امید پر جیوں گا۔ اس کے بعد یکا یک آپ کو خیال گزرا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کی ایذاؤں کو دیکھ کر میرے لئے یہ حکم تو صادر نہیں فرمایا کہ اس ترکیب سے مکہ معظّمہ چھوڑ دوں گا۔ معاً اس خیال کے آتے ہی تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"فإنّني أرىٰ قومك عليك جميعا."

اور آپؐ کی قوم چوں کہ متفق ہو کر آپ کے درپے ایذاء ہے اس
لئے بھی میرا جانا ہی مناسب ہے۔"

اور واقعہ بھی یہی تھا کہ جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے روانہ کرنے سے تبلیغ وارشاد کا کام لینا منظور تھا، ساتھ ہی یہ بھی مدنظر تھا کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سخت آدمی ہیں، خواہ مخواہ اسی طرح دشمنان اسلام کے ہاتھ ان کو تکلیف اٹھانا پڑے

گی، جس کی نظیریں گزر چکی تھیں ان کے اس سوال کو سن کر ارشاد فرمایا:

"أَصَبْتَ."

"سچ کہتے ہیں (یعنی مجھے یہ فائدہ بھی مقصود ہے۔)"

یہ سنتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی، غیرت کا خون پیشانی پر جوش مارنے لگا، کفار قریش پر آگ ہوگئے، جوش وخروش میں اس وقت آپ کے یہ الفاظ تھے:

"لا أرجع حتى أصرخ بإسلام في المسجد الحرام."

"میں نہیں جا سکتا جب تک (کلمہ) اسلام کے ساتھ مسجد حرام
میں جا کر نہ چیخوں۔"

حتی کہ غیظ میں آ کر قسم کھا بیٹھے، بخاری کا جملہ ہے:

"والّذي نفسي بيده لأصرخن بها بين ظهرانيهم."

یہ کہتے ہوئے سیدھے مسجد حرام میں داخل ہوئے، قریش کا مجمع موجود تھا ٹھیک ان کے درمیان گھس کر نہایت اونچی آواز میں۔

"أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله."

"میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد صلی
اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔"

کا نعرہ بلند کیا۔ قریش میں اس کے سننے کی کب تاب تھی۔ صبؤت صبؤت کہتے ہوئے ان پر جھک پڑے، اور جی کھول کر مارنا شروع کیا، مگر ان کی زبان پر بدستور کلمۂ شہادت جاری تھا۔ لات، گھونسے، ڈھیلے، لکڑیاں پڑ رہی تھیں، لیکن کوئی پرواہ نہیں کہ یہاں صرف دکھانا یہی تھا کہ قریشیوں کے ان زنانہ حرکات سے ابوذرؓ کا دل کبھی نہیں کانپ سکتا۔ ہر بُنِ مو کی زبان حال سے آواز آ رہی تھی

کن رہا تیرے کہ دارم، ذوق پیکانے دگر

خدا جانے اس مار پیٹ کا سلسلہ کب تک جاری رہا، مگر حسن اتفاق سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر گزر ہوا، آپ نے قریش کو مخاطب کر کے فرمایا:

''ارے کیا کرتے ہو، انھیں پہچانتے ہو؟ یہ قبیلۂ غفار کا آدمی ہے جدھر سے تمہارے شامی تاجروں کا راستہ ہے۔''

چوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ کے مقتدر لوگوں میں سے تھے مکہ والے آپ کا خیال کرتے تھے۔ لوگوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے خوش تھے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شک کا جواب میں نے عملاً دے دیا ہے، مگر پھر بھی دل کی تسلی نہیں ہوتی تھی۔ بخاری میں ہے کہ دوسرے دن اسی طرح حرم پہنچے اور کلمۂ شہادت کو باآواز بلند پڑھنا شروع کیا۔ قریش اسوقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیال سے باز آئے تھے۔ آج پھر وہی معاملہ دیکھ کر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کیا۔ حضرت عباسؓ کو خدشہ لگا ہوا تھا، آئے تو کل ہی کا واقعہ پیش نظر تھا۔ پھر آپ نے لوگوں کو سمجھا کر فرمایا کہ:

''کیا تمہارا ارادہ ہے کہ قریش کے قافلے لوٹ لئے جائیں؟ آخر کیا کرتے ہو؟

بدستور سابق آپ کو دیکھ کر کفار رک گئے۔

بہر کیف جب حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اچھی طرح عملی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن اقدس پر ثابت کر دیا کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لئے نہیں جاتا کہ وہ مکہ والوں کے مظالم سے ڈر گیا، بلکہ صرف اس لئے اس آستانے کو چھوڑتا ہے، جس کا چھوڑنا اسے کسی طرح منظور نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل، اور خدا کے دین کی اشاعت ونشر کے اہم فریضہ کی انجام دہی اس کا مطمح نظر ہے۔

اس کے بعد آپ مکہ سے بصد حسرت و یاس رخصت ہوئے۔

مکۂ معظّمہ سے روانگی اور دعوت کی ابتداء:

میں نے بہت تلاش کیا کہ دیارِ پاک سے الگ ہونے والے مسافر کا حال اس وقت کیا تھا، لیکن آثار و کتب سے مایوسانہ جواب ملا۔ بچھڑنے والے اپنے دل پر ہاتھ

رکھیں، اور جو کچھ آج سے تیرہ سو برس پیشتر مکہ کی کسی وادی میں ایک گھائل دل پر گزر رہا تھا، اس کا اندازہ کریں، چلے جاتے تھے اور تبلیغ کا خیال ساتھ تھا، جس مقام پر آپ کے بھائی اور والدہ فروکش تھیں، پہنچے۔ حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ منتظر تھے، نہایت گرم جوشی سے ملے اور پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟

بولے "أَسْلَمْتُ وَصَدَّقْتُ"، میں مسلمان ہو گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ حضرت انیس رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی وہ نور مکہ ہی میں چمک چکا تھا، دبائے بیٹھے تھے، یہ سنتے ہی فرمایا:

"ما لي رغبةٌ عن دينكَ فإني قد أسلمتُ وصدّقتُ."

''مجھے آپ کے دین سے انکار نہیں اور میں بھی مسلمان ہوا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی) تصدیق کی۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تبلیغی مہم کی یہ پہلی کامیابی تھی جو کچھ مسرت ہوئی ہوگی، وہ ان کا دل جانتا تھا، یا وہ جانتے تھے، جنھوں نے کبھی کسی بھٹکے ہوئے گمراہ انسان کو صراط مستقیم کی ہدایت کی ہو۔ اور کامیاب ہوئے ہوں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے حضرت انیس کے سامنے اس عہدہ کا بھی ذکر کیا جو آپ کو دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا کیا گیا تھا، اور ان کو بھی اس میں شریک کیا، فرماتے ہیں کہ اس کے بعد:

"فأتينا أمَّنا."

''ہم دونوں بھائی مل کر والدہ کے پاس آئے۔''

اور اسلام پیش کیا۔ آپ کی والدہ نے سعادت مند بیٹوں کو مسلمان دیکھ کر فرمایا، مجھے بھی اس دین سے کوئی نفرت نہیں (دیکھو) میں مسلمان ہوئی اور.........جن چیزوں کی تم دونوں نے تصدیق کی، میں بھی اس کی تصدیق کرتی ہوں۔

"وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ."

''اپنے قبیلہ کے قریب لوگوں کو خدا سے ڈراؤ۔''

کا پہلا فرض گویا پورا ہوگیا۔ دونوں بھائیوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قریش مجھ پر ظلم کر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں انھوں نے مجھے بہت ستایا ہے، مجھے عقلاً اور قانوناً حق پہنچتا ہے کہ ان سے انتقام لوں، اور ان شاء اللہ اسی انتقام کے ذریعے سے مقصد میں کامیابی ہوگی۔

عسفان کی گھاٹیوں میں جا کر چھپنا:

رائے اس پر مستقر ہوگئی۔ والدہ اور بھائی کے ساتھ آپ عسفان کی ایک گھاٹی (۱) (جو تجار قریش کے راستے میں واقع تھی) میں جا کر ٹھہر گئے اور معمول کر لیا کہ اس راہ سے جو قافلہ قریش کا گزرے گا اسے لوٹ لیتے، جب ان پر قبضہ ہو جاتا تو اس کے بعد فرماتے، اگر تم خدا تعالیٰ کی یکتائی پر گواہی دیتے ہو، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرتے ہو، تو سارا مال ابھی واپس کر دیا جائے گا اور اگر انکار کرو گے تو یاد رکھو ایک حبّہ کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

قریش آپس میں مشورہ کرتے، وہی ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو مکہ میں عام طور سے مشہور رہے اور اس پر وہاں بہت ظلم ہوئے ہیں ایسا کہتا ہے کیا کرنا چاہئے۔

بعض ایمان لے آتے تھے اور بعض کفر ہی پر قائم رہتے، جو مسلمان ہو جاتا تھا، آپ اس کا سارا مال دانہ دانہ، رتی رتی کر کے واپس فرما دیتے، جو انکار کرتا اُسے بہ یک بنی و دو گوش روانہ فرما دیتے۔

جو لوگ یہاں مسلمان ہوتے تھے، مکہ معظّمہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے اور اس طرح روز بروز اسلام کی تعداد میں ایک اور اضافہ کی صورت نکل آئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس کام پر مامور کئے گئے تھے، خدا کے فضل سے اس میں غیر متوقع کامیابی ہو رہی تھی، اس واقعہ میں سب سے زیادہ غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لانیوالے محض مال کی طمع سے مسلمان ہوتے تھے تو ان کے لئے

(۱) طبقات، صحیح مسلم، میں اس گھاٹی کا نام ثنیہ غزال بتایا گیا ہے۔

بالکل ممکن تھا کہ مکہ میں جا کر پھر جاتے، لیکن تاریخ اس کی ایک نظیر بھی پیش نہیں کرتی، جو مسلمان ہوتا تھا بس ہمیشہ کے لئے ہوتا تھا کہ حق وصداقت کی روشنی دلوں میں خواہ کسی وسیلے سے بھی ہو، جب صحیح طور پر اتر جاتی ہے تو دیکھا گیا ہے کہ پھر وہ بہت مشکل سے بجھتی ہے۔

الغرض عسفان کی گھاٹیوں میں آپ ایک زمانہ تک نہایت دلیری کیساتھ اسلام کی اس اہم خدمت کو انجام دیتے رہے۔ باوجودیکہ یہ کل تین آدمی تھے......اور اس میں تیسری آپ کی والدہ، ایک بوڑھی عورت تھیں، لیکن منقول نہیں کہ آپ کو کبھی کفار مکہ سے عسفان میں کوئی گزند پہنچا کہ منصب تبلیغ پر پہنچنے والوں کے لئے..........

"واللّٰه یُعصمکَ من الناسِ."

''خدا تمھیں آدمیوں کی شرارت سے محفوظ رکھے گا۔''

کا وعدۂ یزدانی ہے۔

وطن کی طرف مراجعت:

ٹھیک ٹھیک میں نہیں بتا سکتا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عسفان میں کب تک رہے......لیکن مسند احمد بن حنبل کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہجرت سے پہلے غفار میں پہنچ چکے تھے (۱)۔

عجیب بات ہے کہ جن غفاریوں نے آپ کو محض خام توحید کی بنا پر اس درجہ رنج پہنچایا تھا کہ آپ ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے، آج حق وصداقت کی کشش ورعب کو دیکھو گے بغیر کسی مادی کدوکاوش کے بعض تو پہلی ہی تبلیغ میں ایمان لے آئے اور بعضوں نے کہا کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئیں گے تو ہم لوگ اس وقت پورے مسلمان (۲) ہو جائیں گے۔

قریب ہی آپ کے حلیف اسلم کا قبیلہ آباد تھا، وہاں بھی آپ پہنچے، اور جو کچھ

(۱) مسند امام احمد ج/۵، ص/۱۷۵

(۲) مسند امام احمد ج/۵، ص/۱۷۵

اپنے دل میں لگا کر لائے تھے، دوسروں میں بھی اسی کو لگانا شروع کر دیا، چوں کہ روز بروز کامیابی ہو رہی تھی اس لئے آپ کو اس سے از حد دلچسپی ہوگئی۔ اخیر میں ان کا شغف اس درجہ ترقی پذیر ہوا کہ آپ اس وعدہ کو بھی پورا نہ کر سکے، جسے چلتے وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ یعنی میں دیکھتا رہوں گا کہ آپ کو جنگ کی اجازت کب ملتی ہے؟ جب مل جائے گی فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آملوں گا (۱)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کا بھی حکم ہوا، بدر واُحد جیسی مشہور لڑائیاں بھی گزر گئیں، لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے کام سے فرصت نہ ملی۔ اخیر میں جب کفار عرب دس ہزار جرّار لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے اور خندق کی وجہ سے ایک مہینہ کامل محاصرہ ڈال کر مدینہ کے سامنے پھیل گئے، یہاں تک کہ آسمانی قوت نے ہوا میں جنبش پیدا کی، جس نے خیمے اُکھاڑ دیئے، ہانڈیاں، دیگیں اُلٹ دیں، فرشتوں نے کافروں کے دل مسل ڈالے، دشمنوں میں بلاوجہ تسخیر پیدا ہوئی، قریش بغیر لڑے بھڑے مکہ میں آکر چھپ گئے، تو اس واقعہ نے تمام عرب میں زلزلہ ڈال دیا، یقین وایمان کی ایک لہر تھی جو تمام عرب میں دوڑ گئی، غفاری اولاً یونہی منتظر بیٹھے تھے۔ اس واقعہ نے ان کے شوق اور اضطراب کو اور بھی بھڑکا دیا۔

مدینہ منورہ کا سفر:

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بقیہ غفار نے درخواست کی کہ ہم لوگ مدینہ جا کر ایمان لانا چاہتے ہیں، اسلم والوں نے بھی ساتھ دیا۔

۵ھ ہجری کے ابتدائی مہینے تھے کہ غفار اور اسلم کی معیت میں اسلام کا کامیاب مبلغ پھر انھیں قدموں کے نیچے آکر تڑپنے لگا جس کی یاد نے اس کو طویل عرصہ میں کبھی چین سے نہیں رکھا تھا، کیا کچھ واقعات گزرے، ہجر وفراق کی داستانوں میں کیا گفت وشنید ہوئی۔ زمانہ اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ ہمیں تو صرف اس قدر معلوم ہے کہ دونوں قبیلے آپ کے روبرو پیش ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیدار اقدس سے ان کی آنکھوں بلکہ

(۱) مسند امام احمد ج/۵، ص/۱۷۵

جانوں کو نوازتے ہوئے فرمایا:

"غفار غفر الله لها أسلم سالمها الله." (۱)

غفار، خداوند تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور اسلم کو خدا سلامت رکھے۔"

یہ ایک خاص خصوصیت تھی جو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قبیلے کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہیں کئے، اور اسلم پر بھی یہ رحمت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت پھیل گئی۔

قبائل غفار واسلم تو اپنے خیمہ گاہوں کی طرف واپس لوٹے اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام لیا اور اس مضبوطی سے تھاما کہ کبھی الگ نہ ہوئے۔

امارت مدینہ:

روز بروز آپ کا اقتدا اور اعزاز دربار نبوی میں بڑھ رہا تھا، حتی کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ ذات الرقاع (۲) تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کا امام آپ ہی کو بنایا گیا، اور نہ صرف آپ ہی امیر ہوئے بلکہ آپ کے صدقے میں غفاریوں کو بھی کبھی کبھی یہ عہدہ ملا۔ مثلاً غزوۂ دومۃ الجندل کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سباع بن عرفۃ الغفاری کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا تھا (۳)۔

ردافت کی عزت:

عرب میں عام طور سے دستور تھا جب اونٹ پر سوار ہوتے تو اپنے کسی خاص

(۱) صحاح مسند

(۲) اس جنگ کا نام ذات الرقاع (یعنی لتوں والی لڑائی) ہے، وجہ یہ تھی کہ راستہ نہایت سنگلاخ اور پتھریلا جس سے اکثروں کے پاؤں پھٹ گئے تھے، لوگوں نے اس لئے پاؤں میں لتے باندھ لئے تھے۔ چوں کہ ذات الرقاع صحیح روایات کی بنا پر خندق کے بعد واقع ہوا ہے۔ اس لئے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امیر مدینہ ہونا کوئی بعید نہیں (والتفصیل فی زاد المعاد)

(۳) زاد المعاد ج/۱۔

آدمی کو اپنا ردیف بنا لیتے تھے، جو سوار کی کمر تھام کر پیچھے بیٹھتا۔ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی کسی کو اپنا ردیف بناتے تھے۔ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردافت ایک بڑا عہدۂ جلیل تھا۔ جس کے ساتھ آپ یہ عزت دیتے تھے عموماً وہ ردیف النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا۔

ہمارے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس عزت سے سرفراز کئے جاتے تھے نہ صرف اونٹوں بلکہ حضور چھوٹی چھوٹی سواریوں میں مثلاً گدھے وغیرہ پر حضرت ابوذرؓ کو اپنے پیچھے بٹھالیا کرتے اور آپ سے باتیں کرتے ہوئے راستہ طے فرماتے تھے(۱)۔

خدمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

اور صرف ردافت ہی نہیں بلکہ زمانہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ خادم بھی رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی خدمت سے بہت زیادہ خوش تھے ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے فارغ ہوکر کچھ رات گزرے مسجد نبوی میں سونے کے لئے آئے، چوں کہ اس دن زیادہ کام کیا تھا، اس لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دل دہی کے لئے تھوڑی دیر کے بعد مسجد تشریف لائے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوچکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھے کے اشارے سے جگایا۔ گھبرا کر اٹھ بیٹھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، ابوذر کیا ہے، اس دن کیا کروگے، جب اس سے (مسجد نبوی) سے نکالے جاؤ گے، حضرت ابوذر صلی اللہ علیہ وسلم دربار نبوت میں بہت زیادہ شوخ تھے، بولے، ''اپنی تلوار سونت لوں گا اور مجھے جو یہاں سے نکالے گا، اس کی گردن اُڑادوں گا''۔

(۱) زادالمعادج/۱۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھایا اور دعا کرنے لگے:

''اے خدا! ابوذر کی مغفرت فرما!''

اس کے بعد ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''ابوذر! نہیں، ایسا نہ کرنا جو بھی تجھ پر حاکم ہو، اگرچہ غلام حبشی کیوں نہ ہو جس کے ناک، کان اکھڑے کیوں نہ ہوں، اس کی اطاعت کرنی چاہئے، وہ جدھر کھینچے کھنچ جانا''۔

اور ایسا ہی ربذہ میں ہوا جس کی تفصیل آتی ہے۔

صاحب سر النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

آپ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص خصوصیت یہ بھی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اسرار آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتائے تھے، لوگ جب آپ سے کوئی حدیث پوچھتے تھے تو فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسرار بتائے ہیں، وہ اگر پوچھتے ہو تو نہیں بتاؤں گا، اس کے علاوہ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو(۱)۔

دردِ محبت:

اگرچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اکثر حالات میں تفتہ جگروں کو اس ٹیس کے کھلے کھلے نشانات ملتے ہیں، جس کے بغیر مومن، مومن نہیں ہوتا، لیکن بعض واقعات خاص طور پر عبرت انگیز ہیں، جس سے محبّ و محبوب کی باہمی لگاوٹوں کا ایک دلفریب مرقع سامنے کھنچ جاتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ اکثر جب حدیث جاناں کا ذکر فرماتے تو کہتے:

''أوصاني حبيبي بثلاث بصلوٰة الضحى والوتر قبل النوم
والصيام ثلثة أيام من كل شهر.'' (۲)

(۱) مسند احمد بن حنبل ج/۵، ص/۱۶۷ مطبوعہ مصر (۲) مسند احمد۔

''میرے محبوب نے مجھے تین باتوں کی وصیت کی ہے۔ چاشت
کی نماز کی اور وتر سونے سے پہلے پڑھ لیا کروں، ہر مہینہ میں تین روزے
رکھا کروں۔''

اور اخیر میں فرمادیتے کہ میں اس کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی طرح ایک دوسرے
وصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"أوصاني حبيبي بخمس أرحم المساكين
وأجالسهم وأنظرُ إلى ما هو تحتي ولا أنظر إلى ما هو فوقي
وأن أصل الرحم وأن أقول الحق ولو كان مرًّا وأن أقول
لاحول و لاقوّة إلا بالله."(١)

''میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (اور) پانچ باتوں کی
وصیت کی، یہ کہ مسکینوں پر مہربانی کروں اور انہیں کے ساتھ نشست
وبرخواست رکھوں ہمیشہ اپنے سے بہتر حال والے کو نہ دیکھوں اور رشتہ
داروں کے ساتھ سلوک کروں اور سچ بولوں اگرچہ تلخ کیوں نہ ہو اور کہتا
رہوں کہ گناہوں سے باز نہیں رہ سکتا اور نہ فرمانبرداری پر قادر ہوسکتا
ہوں۔ مگر صرف خدا کی مدد سے۔''

الغرض یہ خاص آپ کا طرز تھا کہ ان کا نام جن کی زندگی کی قسم آسمانوں پر رحمٰن
مقتدر کھاتا تھا، حبیبی یا خلیلی کے لفظ سے تعبیر کیا کرتے، کبھی کبھی حالت بہت غیر ہوجاتی
تھی۔ حدیث بیان نہیں کرسکتے تھے، گر یہ طاری ہوجاتا تھا۔

احنف بن قیس راوی ہیں کہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو...... بیت
المقدس کی مسجد میں ایک حدیث بیان کرتے ہوئے دیکھا۔ صرف اتنے الفاظ کہہ کر مجھے
میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، چیخ مارتے تھے، پھر لوٹاتے کہ مجھے

(١) مسند احمد۔

میرے محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور چیخ مارتے، پھر یہی کہتے کہ میرے
محبوب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، اور چیخ مارتے، حتی کہ چوتھی بار ضبط کرکے آپ
نے حدیث بیان (٢) کی۔

ایک دن حضرت ابوذر کو خیال گزرا کہ آج تو ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرلیتے ہیں، لیکن جنت میں کیا ہوگا؟ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو
بہشت میں ہوں گے، اور میرا وہاں جانا مشکوک ہے کہ جنت کا استحقاق تو آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی اتباع کامل سے ہوتا ہے اور ہم میں یہ کب ہے۔

الغرض اس کا خلجان اس قدر بڑھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر
ہوئے اور پوچھا کہ یارسول اللہ! ایک آدمی ہے جو کسی کو پیار کرتا ہے، اس سے اسے محبت
ہے، لیکن اس میں استطاعت نہیں کہ اپنے محبوب کے مانند تمام اعمال وافعال کو بجالائے،
(پھر اس کا قیامت میں کیا حال ہوگا) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے مقاصد کو پہنچ گئے، فرمایا اے ابوذر تم تو اسی کے ساتھ رہو گے، جس کو پیار
کرتے ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے تاب ہوکر چلائے کہ یارسول اللہ میں تو اللہ
اور اس کے رسول کو پیار کرتا ہوں اور انہیں کو دوست رکھتا ہوں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا:

''تو اے ابوذر! تم اسی کے ساتھ رہوگے، جسے چاہتے ہو۔''(٢)

شہیدانِ محبت کے لئے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ سوال انشاء اللہ بہت
زیادہ ہمت افروز، حوصلہ افزا ہے، اعمال میں کمزوریاں ضرور ہیں، اتباع اسوۂ نبویہ یقیناً
نایاب ہے۔ لیکن۔

"أنتَ مع مَنْ أحببتَ."

''تو اس کے ساتھ ہوگا جس کو دوست رکھتا ہے۔''

(١) مسند احمد۔ (٢) مسند احمد۔

بھی ایسی سچی زبان (صلوۃ اللہ علیہ وعلی اصحابہ وسلامہ) کے امواج صادقہ ہیں، جس کی سچائی کی امید نہ رکھنی کفر ہے، تم محبت کر کے دیکھو! دیکھنا کہ اتباع کے لئے جوڑ جوڑ، بند بند، ظاہر وباطن خود مضطر ہوگا۔

اب شان محبوبی کی جلوہ فرمائیوں کا بھی نظارہ کرو، جانبازوں کے ساتھ کیا نوازشیں تھیں، کیا کچھ مداراتیں تھیں، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں، کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

"لم يلقني قط إلا أخذ بيدي."

''کبھی میری ملاقات ایسی نہیں ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ نہ پکڑے ہوں یعنی ہمیشہ مصافحہ کی سرفرازی نصیب ہوتی۔''

دربار رسالت میں جب کسی کی زبان نہیں کھل سکتی تھی، کسی کے کرم ہائے فراواں نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گستاخ کر دیا تھا، جو جی میں آتا تھا پوچھتے تھے، خود فرماتے ہیں:

"أنا كنتُ اسأل عنها يعني أشد مسئلة." (۱)

''میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پوچھا کرتا تھا اور پوچھنے میں سخت تھا۔''

سوال کی اسی شدت وکثرت کا نتیجہ تھا کہ آخر دنوں میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

"لقد تركنا محمدًا صلى الله عليه و سلم وما يحرّك طائر جناحيه في السّماء إلا أذكر منه علمًا."

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ہم لوگوں کو چھوڑا جب فضا میں اڑنے والے پرندوں کے متعلق بھی ہمیں کوئی نہ کوئی علم مل گیا۔''

(۱) سنن بيهقي

صحبت وخدمت کی اس طویل مدت اور سوالوں کی پوچھ گچھ کے اس دراز سلسلے میں شاید ہی کبھی اپنے نیاز مند کو بارگاہ سراپا ناز سے جھڑکی ملی۔ البتہ ایک دفعہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حدود سے بہت آگے بڑھ گئے تو پھر عتاب ہوا اور ایسا عتاب ہوا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کو ہمیشہ یاد کرتے ہوئے فرماتے:

"فغضب علي رسولُ اللهِ صلى الله عليه و سلم ما غضب علي من قبل و لا من بعد." (۱)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر غصہ ہوئے اور اس قدر غضب ناک ہوئے کہ نہ اتنا غصہ آپ کو مجھ پر اس سے پہلے آیا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی آیا۔''

قصہ یہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''لیلۃ القدر'' کی بڑی تلاش رہتی تھی، ایک دن موقع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے کہ یا رسول اللہ کیا قدر کی رات صرف رمضان کے مہینے کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسرے مہینوں میں بھی واقع ہوسکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صرف رمضان میں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ رات محض اس وقت تک رہے گی، جب تک کہ اللہ کے پیغمبر ہم میں ہیں یا ان کے بعد بھی اس کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نبی کے بعد بھی یہ رات باقی رہتی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔

میں نے عرض کیا کہ آخر رمضان کے کس عشرہ میں اس رات کو تلاش کیا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر عشرہ میں اور اول عشرہ میں اسے ڈھونڈو!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کسی اور گفتگو میں مصروف ہوگئے، لیکن میں موقع کی تلاس میں رہا ذرا غفلت پا کر پھر پوچھا کہ آخر ان دو عشروں میں سے کس عشرہ میں واقع ہوتی ہے۔ فرمایا کہ آخر عشرہ میں، اور اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بس آئندہ کچھ نہ

(۱) سنن بيهقي

پوچھنا، پھر آپ دوسری باتوں میں مشغول ہوگئے۔ مگر میں تاک ہی میں لگا رہا، موقع پاتے ہی باوجود ممانعت کے میں نے یہ کہتے ہوئے:

"أقسمتُ عليك يا رسولَ الله بحقّي عليك لتحدثني في أي العشرة هي."

''حضور پر میرا جو کچھ بھی حق ہے میں اس کی قسم دیکر عرض کرتا ہوں کہ مجھے بتادیجئے کہ عشرۂ اخیر کی کس رات میں یہ رات واقع ہوتی ہے؟

بس اس کے بعد حلمِ قلزمِ عمیق میں جنبش ہوئی اور ایسی ہوئی جسے تم حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی سن چکے ہو کہ اس طلاطم کو نہ انھوں نے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ دریائے رحمت کے اس غضبی جوش کا منشا کیا تھا، باوجود ممانعت کے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوچھنے پر غصہ آیا۔ شاید اس پر کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اب تک اپنا اتنا حصہ باقی ہے جس کی تعبیر انھوں نے ''حق'' سے کی۔ حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر کو جو کچھ بتانا چاہتے تھے اس کے اندر ''حق'' کی گنجائش کہاں رہتی ہے؟ بہر حال یہ الفت ومحبت کے دائرہ کی باتیں ہیں، اور ان رموز واسرار تک محبّ ومحبوب کے سوا کسی دوسرے کی کیا رسائی ہوسکتی ہے میں تو اس وقت ان نوازشوں کا ذکر کرنا چاہتا تھا، جو مختلف شکلوں میں جانباز ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دربارِ نبوت سے مبذول ہوتی رہتی تھیں۔ واقعات بکثرت ہیں لیکن سب سے نمایاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مرض کا ایک واقعہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ فراش ہیں، مرض شدت پذیر ہے عین اسی عالم میں حکم ہوتا ہے کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلاؤ۔ لوگ دوڑتے ہیں لیکن وہ وارفتۂ جمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم خدا جانے کدھر نکل گیا تھا تھوڑی دیر میں جب واپس ہوئے اور معلوم ہوا کہ طلبی ہوئی تھی ہانپتے کانپتے آستانے پر پہنچے، باریابی ہوئی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے

تھے، ضعف سے اٹھ نہ سکے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھکا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھ بڑھے اور مجھے اپنے صدر منشرح سے چمٹا لیا(۱)۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا۔ اس کا پورا علم تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوگا، تاہم اتنا تو دنیا کو بھی معلوم ہوا کہ اس کے بعد ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پندار وخودی، آرزو وخواہش کے خس وخاشاک جل کر کچھ اس طرح بھسم ہوئے کہ پھر کبھی نہیں اُگے۔

مطلع سینۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وہ درد اُترا جس کے بعد انسان ہمیشہ مجنون ودیوانہ مشہور ہوا ہے۔

صحبت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار:

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "والّذين معَهٗ" (بلکہ وہ بھی جو آپ کے ساتھ ایماناً نہ تھے پر آپ کے زمانہ میں تھے)، کے باہمی تعلقات کو ذہن نشین کرانے کے لئے ہمارے سامنے حضرت مددالف ثانیؒ کے اس تمثیلی بیان سے غالباً زیادہ مؤثر کوئی چیز نہ ہو، یعنی اپنے مکتوبات میں ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں:

''آفتابِ جگر آسمان پر تھراتا ہوا جلوہ افروز رہتا ہے، دھوبی اپنے کپڑے صاف کر کے اس کی گرم گرم شعاعوں کے سامنے ان کپڑوں کو پھیلا کر کھڑا ہوجاتا ہے۔ مگر تاثیر کی بوقلمونی کس درجہ اعجوبہ پرداز ہے کہ کپڑے آناً فاناً سفید ہوتے جاتے ہیں اور دھوبی کا چہرہ اسی دھوپ میں اسی وقت ایک ہی ہوا میں اسی نسبت سے سیاہ پڑتا جاتا ہے۔''

تم دیکھتے ہو کہ عرب کے ایک ساحلی شہر طیبہ میں ایک نبوی آفتاب چمک رہا ہے، اس کے ارد گرد سیکڑوں دل، ہزاروں روحوں کا اجتماع ہے۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل الامام۔

لیکن وہ جنھیں لوگ افضل البشر بعد الانبیاء کہتے ہیں، صدیقیت کے رنگ کو اپنے اندر اس کی کرنوں سے پختہ کر رہا ہے، کسی میں فاروقیت یا حق و باطل کی قوت ممیّزہ شدت پذیر ہو رہی ہے، کوئی ہے جو اپنے روح و جسم میں حیا کے تمام شعبوں کی تکمیل میں مصروف ہے۔ کسی کا سینہ علوم و معارف کیلئے یوماً فیوماً منشرح ہو رہا ہے اور جہاں یہ ہے وہیں چند اشقی القوم ایسے بھی ہیں جن کے قدم جہل و تیرہ دری کی سیاہ کیچڑوں میں دھنس رہے ہیں، گمراہی و شرارت کے لہب و شعلوں میں گھسے جاتے ہیں۔

"تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرِ،
الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ."

''مبارک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہت (عالم) کی
ہے اور وہ ہر چیز (خواہ شر ہو یا خیر) پر قادر ہے اسی نے پیدا کیا موت کو (جو
ایک شر چیز ہے) اور زندگی کو (جو خیر ہے)۔''

انھیں دلوں میں ایک وہ دل بھی تھا، جس پر غفاریوں کی خاندانی جہالت کے پردے پڑے ہوئے تھے اور جس پر لٹیروں کی قساوت و ہوسناکی کا بادل محیط تھا، لیکن اس تنگہائے تار کے اندر ایک مادۂ صالحہ بھی پنہاں تھا، جو اسی مدنی آفتاب کے نیچے خوش قسمتی سے آگیا ہے۔

سراجِ نیّر (آفتابِ درخشاں) کی تیز کرنیں اس پر بھی پڑ رہی ہیں، ابر ہٹ رہے ہیں، پردہ چاک ہو رہا ہے، حتی کہ جب ان کی بالکل دھجیاں اڑ گئیں تو میں نے بعد کو اور مجھ سے صدیوں پہلے دنیا کی بہترین جماعت نے "وحیٌ یُّوحیٰ" کی صداقت مآب آوازوں میں سُنا۔

"من سرّهٗ أن ينظر إلى زهد عيسى مريم فلينظر إلى أبي ذر."

''جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کو دیکھ کر خوش ہونا چاہتا ہے
پس وہ ابوذر کو دیکھے۔''

حتی کہ جب دیکھنے والوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کے اس نبی میں جو تائید روح القدس کے پرورش یافتہ تھے اور محمد (صلوۃ اللہ علیہ وسلامہٗ) کے ادنیٰ پذیرندہ کے زہد میں کوئی

فرق نہیں آیا۔ یہ ہمارے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے جن کی فطرت میں بطن اُمّ (شکم مادر) سے زہد و تقویٰ کا تخم موجود تھا، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آبشار صحبت کی بدولت وہ اُگا، پھلا پھولا اور اخیر میں اتنے برگ و بار لایا کہ اس کی شادابی دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حقیقت جامعہ (۱) نبویہ کی شاخ مسیحی کا اسے ایک نمونہ قرار دیا۔

بلاشبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نفس صحبت پاک کا یہی اثر تھا، لیکن اسباب و علل کی تلاش کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہت بڑا دخل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت انتخاب اور طریق تعلیم کو بھی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص میں جس چیز کی مناسبت دیکھا کرتے اس کو اسی قسم کی تعلیم دیتے تھے، جیسا کہ ان شاء اللہ کچھ تھوڑی بہت تفصیل اس کی آئندہ پڑھو گے۔ تم کو وہیں سلفِ صالحین کی ان آراء مستقیمہ کی صداقت بھی معلوم ہو گی جو فرماتے آئے کہ حدیث و قرآن سے تکمیل روح انسانی کے لئے ضرورت ہے کہ کسی شیخ طریقت کی حلقہ بگوشی بھی اختیار کی جائے، وجہ یہ ہے کہ گو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بصورتِ قرآن و آثار و حدیث ہمارے سامنے ہے، لیکن آج وہ قوت انتخابیہ کہاں ہے جو جانچ لے کے فلاں شخص کے لئے فلاں تعلیم کی ضرورت ہے۔

حضراتِ صوفیاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں خدا اس قوت کو پیدا فرماتا ہے اور وہ اپنے وابستوں کی جبلت کا اندازہ کر کے ان کے سامنے ارشاد و تعلیم فرماتے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی شان مبارک میں ارشاد فرمایا ہے: "أوتيت علم الأولين والآخرين" (اگلوں اور پچھلوں کے تمام علوم و معارف مجھے دیئے گئے) اسی لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمام انبیاء علیہم السلام کے حقائق کی جامع تھی صحابہ پر ان حقیقتوں میں سے کسی ایک کا پرتو پڑتا تھا اور وہ اسی میں پختہ اور کامل ہو جاتے تھے۔

طریقۂ تعلیم نبویؐ

میں استیعاب تو نہیں کرسکتا، تاہم مختصر طور پر اس کا ایک دھندلا سا خاکہ پیش کرنے کی گنجائش بھی پاتا ہوں۔

محبت دنیا:

مراتب زہد میں سب سے پہلے جس جذبہ کو دبانا چاہیئے وہ محبت دنیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے دھن، دولت کی مذمت فرماتے، خود ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کعبہ (غالبًا یہ مدینہ آنے سے پہلے کا واقعہ ہے) کی طرف ایک دن جارہا تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دیوار کے سائے میں جلوس فرماتے تھے، دور سے مجھے دیکھا، اور جب قریب ہوئے تو فرمانے لگے:

"هم الأخسرون وربّ الكعبة هم الأخسرون وربّ الكعبة."

وہی برباد وتباہ ہیں قسم ہے کعبہ کے رب کی وہی برباد وتباہ ہیں۔

قسم ہے کعبہ کے رب کی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیال ہوا کہ شاید میرے متعلق آپ پر کوئی وحی نازل ہوئی، سانس چڑھ گئی، دوڑتے ہوئے آئے اور فرمایا:

"من هم فداك أبي وأمي."

''وہ کون ہیں آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الأكثرون أموالا إلا من قال هكذا وهكذا وقليل ماهم."

''زیادہ مال ودولت والے، لیکن جس نے اس طرح اور اس طرح دیا، وہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کے دونے بنائے اور آگے دائیں بائیں کی طرف اشارہ فرمایا، یعنی جو خوب لے دے، غریبوں کے کام چلائے۔

شام کا وقت ہے، صحرائے مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغرضِ سیر وتفریح تشریف لے جاتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ ہیں، سامنے احد کا پہاڑ نظر آیا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا ''ابوذر''............!

حضرت ابوذرؓ: لَبَّیْكَ یا رسُوْلَ اللّٰہِ!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابوذر! اگر اس اُحد کے برابر بھی ہمارے پاس سونا ہوتو میں اس کو بالکل پسند نہیں کروں گا کہ وہ ہمارے یہاں تیسرے دن تک رہ جائے لیکن صرف اس قدر حصہ جو قرضداروں کے لئے رکھ چھوڑوں، میں سب کو ادھر ادھر اللہ کے بندوں پر تقسیم کردوں۔'' اور پھر دونے بنابنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں اشارے فرمانے لگے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ہم پھر آگے چلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر کے بعد پھر ارشاد فرمایا:

''ابوذر! وہی بے دولت ہیں جو دولت والے ہیں۔ مگر وہ جو ادھر دے، اُدھر دے(۱)۔''

---

(۱) مسند احمد

پس وہ جنھیں خدا پیار کرتا ہے ان میں ایک وہ شخص ہے کہ ایک فقیر اس قبیلہ میں آتا ہے اور قرابت کا واسطہ دے کر نہیں بلکہ خدا کا واسطہ دے کر ان سے کچھ مانگتا ہے اور قبیلے کے لوگ اسے کچھ نہیں دیتے ہیں، لیکن وہی چپ چپ اٹھتا ہے اور چھپا کر اس کو کچھ اس طرح حوالہ کر دیتا ہے کہ اس خیرات کا علم بجز خدا اور لینے دینے والے کے علاوہ کسی کو نہیں۔ دوسرا وہ ہے جو کسی قافلہ کے ساتھ رات کو چلتا ہے، حتیٰ کہ جب قافلہ پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے، وہ کسی مقام پر اتر پڑتے ہیں اور تکیوں پر سر رکھ کر سو جاتے ہیں لیکن وہ تھکا ماندہ مسافر اکیلا خدا کے آگے کھڑا ہو جاتا ہے اور اللہ کی خوشامدیں کرتا ہے، اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے۔

تیسرا وہ ہے جو کسی جنگ میں شریک ہے دشمنوں سے سپاہیوں کی مڈبھیڑ ہو جاتی ہے اتفاق سے مسلمانوں کو شکست ہوتی ہے اس وقت سینہ تانے آگے بڑھتا ہے، پھر یا قتل ہو جاتا ہے یا مظفر و منصور واپس ہوتا ہے۔

اور جن سے خدا بغض رکھتا ہے، وہ بڈھا زانی اور قلانچ بانکا اور ظالم دولت مند ہے (۱)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو لوگ آج اونٹوں، بکریوں، گایوں کے مالک ہیں اور ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، قیامت کے دن ان کی مویشیاں بہت بڑی اور موٹی ہو کر آئیں گی، اور جب تک اعمال کا فیصلہ نہ ہوگا، کوئی اپنے مالک کو سینگوں سے مارے گا، کوئی اپنے قدموں سے کچلے گا۔ ایک قطار جب ختم ہو جائے گی تو دوسری آئے گی، اور وہی دُرگت بنائے گی (۱)۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حدیث تو آخر میں اکثر پڑھا کرتے تھے کہ مجھ سے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد کیا کہ جس نے سونے چاندی پر گرہ لگائی وہ ان کے مالک پر انگارے ہیں (۲)۔ اور نہ صرف یہ حدیثیں بلکہ ایسے سیکڑوں اقوال نبی صلی اللہ

(۱) مسند احمد

(۲) مسند احمد، اس حدیث میں یہ بات قابل لحاظ ہے، جبکہ وہ یا تو تجارت کی غرض سے پالے گئے ہوں یا ان کا اکثر زمانہ چرائی میں بسر ہوتا ہو، ورنہ گھر پر کھانے والے جانوروں پر زکاۃ نہیں۔

علیہ وسلم کے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتب احادیث میں موجود ہیں جن میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم کا خصوصیت کے ساتھ پتہ چلتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہیں، اور ارشاد فرماتے ہیں:

''ابوذر.........! مسجد میں جو سب سے بلند رتبہ کا آدمی ہو، دیکھو وہ کون ہے۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو جس کے بدن پر نہایت قیمتی جوڑا تھا دیکھا، اور اشارہ کیا کہ حضور! وہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا اب دیکھو، ان میں سب سے زیادہ گرا ہوا کون ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مسکین کی طرف جو نہایت پھٹے پرانے چیتھڑوں میں لپٹا ہوا تھا، اشارہ کیا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا:

''خدا کی قسم، قیامت کے دن اس کا (یعنی پھٹے پرانے کپڑوں والے کا) وزن نیکی اور بھلائی میں ایسوں سے (یعنی اچھے قیمتی حُلّے والوں سے) تمام زمین کے وزن کے برابر زیادہ ہوگا (۲)۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن معاش سے تنگ آ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور درخواست کی کہ حضور مجھے کسی صوبہ کا عامل (گورنر) مقرر فرمائیں۔ آپ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہٗ نے سنتے ہی فرمایا:

"يا أبا ذر إني أراك ضعيفًا وإني أحب لك ما أحب لنفسي لا تأمرن على اثنين ولا تولين مال اليتيم. (۳)"

''ابوذر میں تم کو کمزور پاتا ہوں (یعنی یہ کام تمہاری فطرت کے مناسب نہیں) اور میں تمہارے لئے اسی بات کو پسند کرتا ہوں جو مجھے اپنے لئے پسند ہے ہرگز تم دو آدمیوں کے کبھی امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال

(۱) اس حدیث کے متعلق حضرت ابوذرؓ کا خاص قصہ اور فتویٰ ہے، ناظرین اس کو یاد رکھیں تمام تمہید اسی کے لئے ہے۔

(۲) مسند احمد (۳) طبقات ابن سعد ج:۴/ص:۱۱۷

کے متولی ہونا۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رات کو حاضر ہوا تھا اور صبح تک اصرار کرتا رہا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی طرح منظور نہیں فرمایا(۱)۔

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طبیعتوں کی فطری نہاد کا اندازہ بہت ضروری ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو تو اس عہدہ پر خود مامور فرماتے تھے، لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اسے کیوں نہ پسند فرمایا۔

حب مال جو حب دنیا کی نہایت خاردار شاخ ہے۔ اس کی نشو ونما میں سب سے زیادہ تائید بخشنے والی چیز ریس اور دوسری دنیاوی ترقیاں ہیں۔ انسان پر کبھی ہستیِ ناپائیدار کی اصل حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، اور چند دنوں کیلئے اکثر سلیم الفطرت کو اس سے نفرت ہوجاتی ہے، مگر جہاں مال داروں اور اپنے سے زیادہ دولت مندوں پر نظر پہنچی، ان کے اونچے مکان، عمدہ لباس، لذیذ کھانے، خوب صورت پر شوکت سواریاں سامنے سے گزریں بس اسی وقت ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے اس کے بعد زہد وعزلت کے تمام جذبات کو کھو بیٹھتا ہے، روحانی خیالات مسلوب ہوجاتے ہیں اور دنیا کی ہوس دل ودماغ پر مسلط ہوجاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا بھی علاج بتادیا تھا اور وہ اخیر عمر تک اسی پر عامل رہے۔ خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روای ہیں:

''میرے خلیل (یعنی سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے حکم دیا ہے۔''

(۱) مسکینوں سے محبت کروں اور ان سے ملتا جلتا رہوں۔

(۲) اور مجھے فرمایا کہ میں اپنے سے کم رتبہ والے آدمی پر ہمیشہ نظر کروں اور اپنے سے بلند مرتبہ پر کبھی نگاہ نہ ڈالوں۔''

یہ دراصل اس مرض کا بہترین علاج ہے۔

(۱) مسند احمد

فرض کرو کہ ایک آدمی ہے، جسے ململ کا کُرتہ اور لٹھے کا پائجامہ پہننے کو، گیہوں کی روٹی اور بکری کا گوشت کھانے کو، ایک صاف ستھرا ماحول مٹی کا مکان رہنے کو ملتا ہے۔ اب اگر یہ اس شخص پر جس کے پاس گاڑھے کا کپڑا اور جو کی روٹی اور پھونس کے جھونپڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، نظر کرے گا تو اپنی حالت پر شکر کرے گا اور خواہ مخواہ ان فضول مصائب میں مبتلا نہ ہوگا، جو اسے اپنے سے زیادہ مالدار، زیادہ قیمتی لباس عمدہ کھانے کھانے والے پر نظر کرنے کے بعد جھیلنے پڑتے۔ دنیاوی طمانیت اور اُخروی فوائد کی یہ بہترین تدبیر ہے، لیکن ہم میں کتنے ہیں، جو آج اس پر عامل ہیں، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اگر اس اصول پر انسان عمل کرے تو شاید اسے کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچ سکتی دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ یہی وہ سنہرا اصول ہے۔ جس کی تعبیر میں سعدیؒ نے کہا:

''پیر کٹے کو دیکھ کر پھر مجھے اس کا افسوس نہ ہوا کہ میرے پاؤں میں جوتے کیوں نہیں ہیں۔''

حب مال کے بعد حب دنیا کا دوسرا جزء ''جاہ'' و ''عزت'' کی محبت ہے یہ اس سے بھی زیادہ خطرناک اور نظام عالم کے فساد کا باعث ہے، دنیا میں بندگان دین سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ ان سے بہت ہی کم ہیں جو جاہ پرستیوں کی دیوانگیوں سے ظہور میں آئے۔

اس مرض کا اصلی سبب یہ ہے کہ انسان اپنے اندر جب کسی کمال کو محسوس کرتا ہے تو وہ کمال عطا کرنے والے کی قوت وقدرت کو بھول جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب میں بھی کچھ ہوں، اور اسی کے بعد کوشش کرتا ہے کہ جیسا کہ میں نے اپنے آپ کو سمجھا ہے کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے گرد وپیش والوں کو بھی میرے وجود با کمال کی اطلاع ہو۔ پھر اس کے لئے جو کچھ تدبیریں اپنی اپنی پرواز کے موافق سمجھ میں آتی ہیں، کم دیکھا گیا ہے کہ حرص وہوا کا ادنیٰ غلام اس کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا رکھتا ہو، منافقت کے انگاروں سے اپنا سینہ بھر لیتا ہے اور حلال وحرام طریقوں سے اپنے وجود کی خبر دنیا کے کانوں تک پہنچانے کی فکر میں مصروف رہتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو کمال پیدا ہونے والا تھا یا ہو چکا تھا وہ زہد

وتقویٰ کا کمال تھا۔ ڈر تھا کہ کہیں اس پر عجب وخود بینی نہ پیدا ہو جس کے بعد جاہ وعزت کا
سیلاب خود بخود دنیا وآخرت کے چین کو بہا کر لے جاتا ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
نے قبل از وقت اس کا بھی انسداد فرما دیا۔ اور صاف لفظوں میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کو مخاطب کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندو! تم سب کے سب گنہگار
ہو، لیکن جسے میں محفوظ رکھوں۔ پس تم سب کے سب مجھ سے
اپنے گناہوں کی بخشش کی درخواست کرتے رہو، میں تمہیں
بخشوں گا۔ جو مجھے صاحب قدرت جانتا ہے کہ گناہوں کو مٹا سکتا
ہے، اور مٹاتا ہے۔ اور جس نے میری قدرت کے وسیلہ سے
اپنے گناہوں کی معافی چاہی میں نے اس کے گناہ معاف کئے
اور مجھے اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔''

اے ہمارے بندو! تم سب کے سب گمراہ ہو، لیکن صرف وہ جسے
میں راستہ بتاؤں، تو تم ہم سے ہی ہدایت کی التجا کرو.........تم
سب کے سب محتاج وفقیر ہو، لیکن وہ صرف جسے میں غنی کروں، تم
مجھ سے ہی اپنی روزیاں طلب کرو، اور یاد رکھو، اگر تمہارے مردے
اور زندگے، اگلے پچھلے، برے بھلے، خشک وتر، سب کے سب کسی
بندے کی انتہائی پرہیزگاریوں پر جمع ہو جائیں تو ان سب سے
میرے ملک میں مچھر کے پَر کے برابر بھی کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔

اور اگر تمہارے زندے اور مردے، اگلے، پچھلے، برے، بھلے جمع ہوں
اور ہر ایک اپنی اپنی تمام امیدوں کا مجھ سے سوال کرے اور میں سب
کے سوال پورے کردوں، تو اس سے بھی میرے ملک میں کچھ کمی نہیں
ہوگی لیکن صرف اس قدر کہ ایک شخص کسی دریا میں اپنی سوئی ڈبوتا ہے

اور نکال لیتا ہے اور اس لئے کہ میں ہی بخششوں والا، بزرگ وبرتر
تمام مقاصد پر غالب ہوں، کرتا ہوں جو کچھ چاہتا ہوں۔
میرا دینا بھی میرا کمال ہے اور میرا عذاب بھی صرف میرا کمال
ہے، میں جس چیز کا ارادہ کرتا ہوں اس سے کہتا ہوں کہ ہو جا،
بس وہ ہو جاتی ہے۔''

یزدانی جلال وجبروت کا جو نظارہ تم اس کلام میں کرتے ہو کیا اس کی صداقت
یقین کرنے کے بعد اپنی ہستی یا اپنے مکاسب وکمالات پر کبھی کوئی ناز کرسکتا ہے، کیا اس
کے بعد ایک سیکنڈ کے لئے غرور گھمنڈ کی چنگاریاں کسی دل میں چمک سکتی ہیں اور کیا اس
کے بعد پھر کبھی کوئی مومن باللہ جاہ وعزت، بقاء ونمود کے لئے کرۂ ارض پر کوئی فتنہ اٹھا سکتا
ہے، آخر جب کہ ہم میں ہر ایک خطاوار ہے تو تقویٰ وطہارت پر کون دیوانہ مغرور ہو سکتا ہے
حتیٰ کہ اس کی شہرت وصیت کی جدوجہد میں مبتلا ہو۔

جب کہ ارباب دُوَل کی تمام تر ثروتیں صرف خدائے قیوم کے قبضۂ اقتدار میں
ہیں تو کیسہ ہائے زر پر سینہ تاننے والا اگر احمق نہیں تو اور کیا ہے، اگر یہ صحیح ہیکہ ہمارے تمام
اکابر اسافل، بڑے چھوٹے مل کر بھی خدا کی بارگاہ جلال میں پرِ پشّہ کے برابر اضافہ نہیں
کرسکتے، تو پھر انسان، مشتے از خاک انسان کس پر اکڑتا ہے۔

اس کی شان بے نیازی کا جب یہ حال ہے کہ وہ ہدایت ورشد کے باب میں بھی
صرف توفیق اور اپنے ہاتھ کو کام کرنے والا بتاتا ہے تو ایک واعظ ومصلح کس بنا پر اپنے مساعی
کو قابل قدر ہستی سمجھ سکتا ہے۔

''آہ! کہ سب کچھ اسی کا ہے، اور ہم محض محتاج وفقیر ہیں تو پھر یہ خود بینی کیسی، یہ
زعم وپندار کیوں؟''

یہی وہ حکم ومواعظ تھے، جس نے اخیر میں روح ابوذری میں زہد عیسوی کا نقشہ
کھینچ دیا، بہرکیف یہ سب کچھ تھا اور اس سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان اطہر

وقلب مزکی سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زاہدانہ فطرت کو ابھارتے رہتے تھے۔

لیکن آپ کی تمام تعلیم وارشاد میں سب سے زیادہ خصوصی نظر اس حصہ پر ڈالنی چاہئے، جہاں اسلام اپنی امتیازی شان کے ساتھ تمام ادیان وملل سے علیٰحدہ نظر آتا ہے۔

تم کو وسوسہ ہوتا ہوگا کہ اگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم تھی، تو پھر اسلام نے رہبانیت کی کیا مخالفت کی؟ اور اسے قسیسوں واحباروں کے خود تراشیدہ امور میں کیوں شمار کیا؟

میں اسی سوال کے جواب کی طرف تمہیں متوجہ کرانا چاہتا ہوں، عام طور پر سمجھ لیا گیا ہے کہ زہد وتقویٰ اس کا نام ہے کہ آبادیوں کو چھوڑ کر پہاڑوں اور بیابانوں میں نکل جانا چاہئے اور وہیں کہیں تنہائی میں بیٹھ کر خدا کی عبادت میں مصروف ہونا چاہئے، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”راستوں سے ہڈیاں اٹھانی یہ بھی نیکی ہے، کسی بھٹکے ہوئے کو راستہ بتادینا یہ بھی صدقہ ہے۔ کسی کمزور آدمی کی معاونت کرنی یہ بھی صدقہ ہے اور تیرا اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہونا یہ بھی صدقہ ہے۔“

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں (تعجب سے) پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا بیوی کے ساتھ ہم خلوت ہونے میں صدقہ ہے؟ حالانکہ اس میں تو آدمی اپنے نفس کی خواہش پوری کرتا ہے۔ کیا آدمی اپنی خواہش بھی پوری کرے گا اور اجر بھی پائے گا؟

سیدالانبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے فرمایا، اچھا بتاؤ اگر تم اس خواہش کو کسی ناجائز اور حرام طریقے سے پوری کرتے تو کیا یہ گناہ نہ ہوتا؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، یقیناً۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تم لوگ گناہوں کا تو خیال کرتے ہو، لیکن نیکیوں کا نہیں، عموماً زاہدانہ زندگی گذارنے والے، کسب وحرفت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، اور پھر جب انھیں دنیاوی ضروریات ستاتی ہیں تو حالاً یا قالاً بھیک مانگنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا:

”کیا تم ایک ایسی بات پر بیعت کروگے کہ اس کے بعد تمہارے لئے صرف، جنت ہے۔“

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، جی ہاں! اور میں نے ہاتھ پھیلا دیئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میں تم سے عہد لینا چاہتا ہوں، کہ تم کسی آدمی سے کچھ نہیں مانگوگے۔“ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ بہت بہتر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”حتی کہ وہ کوڑا بھی نہیں جو تمہارے گھوڑے سے گر پڑے، بلکہ تم اترو اور خود اٹھاؤ۔!“ (۱)

ہمارے زمانے کے فقراء ودراویش نے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کررکھا ہے کہ ہر وقت منہ چڑھا ہوا ہے، کسی نے کوئی بات بھی پوچھی تو اس کا جواب بھی پیشانی پر بل دیتے ہوئے دیا جاتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہرگز کسی قسم کی نیکی یا بھلائی کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر تمہارے پاس کسی مسلمان کے ساتھ سلوک کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے تو اپنے بھائی کیساتھ بہ خندہ پیشانی ملو (۲)۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں پر زہد کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ یکا یک اپنے گھر سے غائب ہوجاتے ہیں۔ بیوی، بال بچے، اقرباء کے خبر گیری کا بالکل خیال نہیں کرتے، حالانکہ یہ حرکت اس مقصد کے لئے بالکل خلاف ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، انسان دنیا میں چند سال کے لئے جس کی مدت اس زمانہ میں ساٹھ ستر سے شاید زیادہ نہیں، محض آزمائش کے لئے اتارا گیا ہے اور اصلی آزمائش یہی ہے کہ تمام فتنوں میں مبتلا ہوکر بھی اپنے خالق ذوالجلال کو نہیں بھولتا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

(۱) مسند احمد (۲) مسند احمد

''مجھے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی کہ میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتا رہوں، اگرچہ اسے پورے طور پر انجام نہ دے سکوں (۱) کہ یہ بہت مشکل ہے'' (بہرکیف جس قدر بضاعت ہو، اسی میں سب کیساتھ سلوک کرتا رہے۔)

جذب وسرمستی اوراس کی حقیقت:

تعلیم وتزکیہ کا یہی زریں سلسلہ تھا، جوروز بروز حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصل جوہر کو چمکا رہا تھا۔ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہرلحظہ، ہروقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حرکت وسکون پرنظر رکھتے تھے اورادھر ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ جو کچھ کہا جاتا اور جس وقت کہا جاتا فوراً ان کی روح اُسے جذب کرلیتی اور اس سختی کے ساتھ اسے قبول کرتی کہ پھر دنیا کی کوئی قوت اس رنگ کو کسی طرح مٹا نہیں سکتی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ وہ خود اپنی ہستی مٹا بیٹھتے، لیکن یہ بالکل ناممکن ہورہا تھا کہ جو رنگ ان پر چڑھایا گیا تھا وہ زائل تو کیا میلا بھی پڑتا۔

مثلاً اسی زمانہ میں جب کہ آپ شروع شروع دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے، ایک دن غصہ میں آکر ایک صحابی (حضرت بلالؓ) کو ان کی غلامی کیطرف اشارہ کرتے ہوئے۔

"يا ابنَ الأمةِ."

''اولونڈی کے بچے!''

کہہ دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدھے دربار نبوت میں پہنچے، اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دعویٰ دائر کر دیا کہ انھوں نے مجھے گالیاں دی ہیں۔ اسی وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طلبی ہوتی ہے، حاضر ہوتے ہیں، بارگاہ نبوت سے سوال ہوتا ہے:

"أسا بَبْتَ فلانًا."

''کیافلاں (بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ تم نے گالی گلوچ کی ہے؟''

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زندہ ضمیر ''جرم'' کے زہریلے جرم کو اپنے اندر اس صحت

(۱) مسنداحمد

یابی کے بعد جو صحبت نبویہ سے حاصل ہوتی تھی چھپا نہیں سکتا تھا، صاف لفظوں میں بغیر کسی تاویل یا اظہار اسباب کے اقرار کرلیا اور بولے:

"نَعَمْ."

''ہاں ایسا ہی ہوا ہے۔''

حوادث وواقعات مقدمات ومعاملات کی تنقیح وچھان بین میں کن احتیاطوں اور دقیقہ سنجیوں سے کام لیا جاتا تھا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل فیصلہ صادر فرمانے کے پھر دریافت فرمایا:

"أفقلتَ من أمه."

''کیا تم نے (بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی ماں کے متعلق کچھ کہا۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں بھی وہی:

"نَعَمْ."

''جی ہاں۔''

کے ذریعہ قصور کا اعتراف کیا۔ اس کے بعد ایک کنانی النسل عرب کو ایک حبشی غلام کے مقابلہ میں غلاموں کے مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ مشہور خطاب ملتا ہے۔

"إنّك إمرءٌ فيك جاهلية."

''تم ایک ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت (گنوارپن) ابتک موجود ہے۔''

اس کے بعد کتنا پرلطف فقرہ وہ ہے، جسے امام بخاریؒ اپنی جامع میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اپنے ہادی، محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ''جاہلیت کے خطاب پانے کے بعد مجذوب ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے بے ساختہ یہ جملہ نکلتا ہے۔

"علىٰ ساعتي هذه من كبر السنّ."

''کیا اس وقت بھی اتنی بڑی عمر میں (ابتک گنوار ہی ہوں۔)''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نعم."

''ہاں۔''

طبقات ابن سعد میں اتنا اور اضافہ ہے کہ

"ما ذهبتُ أعرابيّتُك بعدُ."

''اب تک تمہارا گنوار پن تم سے زائل نہیں ہوا ہے۔''

اس زجر وتوبیخ کے بعد آپ نے نہایت نرمی اور شفقت سے سمجھانا شروع کیا کہ:

''ابوذر! تمہارے غلام، تمہارے بھائی ہیں (یعنی کسی کو اس کے محض غلام ہونے کے سبب سے ذلیل نہ سمجھو، جس طرح اپنے بھائی کو ذلیل نہیں سمجھتے) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تمہارے سپرد کر دیا ہے، چاہیئے کہ انھیں وہی کھانے کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی کپڑے پہناؤ جسے تم پہنتے ہو۔

ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ مغلوب وعاجز آجائیں اور کبھی بضرورت تم کسی مشکل کام کی تکلیف انھیں دو بھی تو ان کا ہاتھ بٹاؤ''۔(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان میں ان لفظوں کو ڈال دیا، لیکن اس کے بعد دیکھنے والوں نے ان کی برقی تاثیروں کو اس طرح دیکھا اور بار بار دیکھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر سے باہر نکلے ہیں، غلام بھی ساتھ ہے جو کپڑے اپنے بدن پر ڈالے ہوئے ہیں، ٹھیک اسی قسم کا پیراہن غلام کے دوش پر پڑا ہے، لوگوں نے ٹوکا بھی کہ حضرت آپ نے جو چادر غلام کو دے دی ہے اگر اسے بھی آپ ہی اوڑھتے تو لباس مکمل ہو جاتا، مگر وہی ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کبھی ایک آزاد غلام کو بھی لونڈی کا بچہ کہنے سے نہیں جھجکتے تھے اب کہتے ہیں:

(۱) مسند احمد بخاری وغیرہ۔

"أجل ولكن سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول أطعموهم ممّا تأكلون وألبسوهم ممّا تلبسون." (۱)

''ہاں (سچ کہتے ہو) لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کھلاؤ اپنے غلاموں کو اسی کھانے میں سے جسے تم کھاتے ہو، اور پہناؤ ان کو اسی کپڑے میں سے جسے خود پہنتے ہو۔''

سچ کہا، جس نے کہا

ایں خرقۂ مے آلود حافظ بخود نہ پوشید
اے شیخ پاک دامن معذور دار مارا

تاثیر وتاثر فاعل وقابل میں جہاں کہیں بھی ایسا مضبوط ومستحکم رشتہ قائم ہوا، تسلیم ورضا جب کبھی بھی اس شکل میں رونما ہوئی جو فرمانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور جان ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان تھی تو آپ یقین کیجئے کہ اس کے بعد تسلیم، تسلیم نہیں رہتی۔ اطاعت وفرماں برداری کا زینہ بہت اونچا ہو جاتا ہے، رضا اضطرار کے قالب میں ڈھل کر رفتہ رفتہ عشق اور عشق کے بعد، جذب ووجد وارفتگی کی صورت میں ظاہر ہو کر بالآخر برہم زن ایوان صبر وقرار، عقل وہوش ثابت ہوتی ہے۔

دنیا نے ہمیشہ اس کیفیت کو خواہ وہ کسی وجہ سے ہو، جنون ودیوانگی سے تعبیر کیا ہے اور مذہب تصوف کے محاورہ میں ایسے نفوس کو مجاذیب وبہالیل کا خطاب دیا گیا ہے۔

مجذوبوں کی اصل اور ان کا سرچشمہ:

اگرچہ اتنے اہم مسئلہ پر کوئی رائے قائم کرنی مشکل ہے تاہم واقعات کی راہنمائی میں اس کا سراغ ضرور ملتا ہے کہ جس طرح آج اسلام کی مختلف شاخیں مختلف اصحابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں، اسی طرح طائفہ مجاذیب وبہالیل جو فقراء کی مشہور جماعت ہے اس کے سنگِ بنیاد، خشتِ اول قرنِ صحابہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

(۱) مسند احمد وغیرہ۔

حالات موجود ہیں۔ اس کی کھلی نشانیاں تم اس میں ڈھونڈ سکتے ہو۔ اور نہ صرف
اس قدر بلکہ مجذوبوں کی اصلی حقیقت پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات سے
پوری روشنی پڑتی ہے۔ ایک معیار ملتا ہے جس پر زمانہ حال کے مجذوبوں کو جانچا جا سکتا ہے۔

آپ کی مجذوبانہ وضع:

سب سے پہلے جو چیز ہمارے سامنے آئی ہے وہ آپ کی وضع اور ہیئت ہے طبقات
ابن سعد، مسند احمد و نیز دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ کے بال پریشان رہتے
تھے، داڑھی الجھی ہوئی رہتی تھی۔ خود اس میں کبھی کنگھی وغیرہ نہیں فرماتے تھے، کوئی آدمی
جب آپ کو اس حال میں دیکھتا تو پکڑ لیتا، نہلا دھلا کر کپڑے بدل دیتا، بال جھاڑ دیتا۔

قبیلۂ بنی ثعلبہ کا ایک شخص آپ کی ہیئت کے متعلق راوی ہے۔

"مر بنا شيخ أشعث أبيض الرأس واللحية فقالوا هذا
من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستاذناه أن
نغسل رأسه فأذن لنا واستأنس بنا." (۱)

''ایک بوڑھا آدمی ہمارے سامنے سے گزرا جس کے بال الجھے
ہوئے پریشان تھے باوجودیکہ سر اور داڑھی دونوں سفید ہو چکے تھے، لوگوں
نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، ہم نے یہ سن کر آپ
سے اجازت مانگی کہ ہم آپ کا سر دھو دیں، انھوں نے اجازت دے دی
اور ہم سے مانوس ہو گئے۔''

کتاب کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں، ورنہ خیال آتا ہے کہ کوفہ یا بیت المقدس کی
مسجد میں ایک واقعہ اسی کے قریب قریب پیش آیا۔

آپ کے حلیہ سے سراغ جذب:

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ آپ کا حلیہ بیان کرتے ہیں وہ اس پر متفق ہیں کہ آپ دراز

(۱) طبقات ابن سعد ج:۴، مطبوعہ لندن۔

قد، گھنے بال والے تھے، لیکن رنگ میں لوگوں کا اختلاف ہے، طبقات میں ایک جگہ ہے کہ
آپ گندم گوں تھے، اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ کا رنگ سیاہ تھا۔ (۱)

عام محدثین اس تعارض کو جس طرح چاہیں دفع کریں، لیکن میرے خیال میں تو
یہی آتا ہے کہ اصل رنگ آپ کا گندم گوں تھا مگر جو سرمست و وارفتہ، ہو اس کا رنگ میل
کچیل، گرد، دھوپ سے اگر سیاہ پڑ جائے تو کیا تعجب ہے؟

سڑکوں پر سجدے کرنا:

خصوصاً جب روایتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے بعض شاگرد سڑکوں اور عام
شاہ راہوں پر سجدے کیا کرتے تھے، جس سے گمان ہوتا ہے، یہ شاگردوں کی حرکت استاد ہی
کی تقلید ہوگی، اس لئے نقل کرتا ہوں کہ اس سے بھی آپ کی مجذوبانہ کیفیتوں کا پتہ چلتا ہے۔

مسند احمد میں ہے:

ابوعوانہ اور سلیمان اعمش یہ دونوں کسی راستہ سے گزر رہے تھے، چلتے چلتے یہ
سلسلہ جاری ہوا کہ انھوں نے مجھے قرآن سنانا شروع کیا، اور میں نے ان کو اس عرصہ میں
جہاں سجدہ کی آیت آجاتی تو وہ سڑک ہی پر سجدے میں گر جاتے۔ میں نے کہا:

"أتسجد في السكة."

''کیا سڑک پر ہی سجدہ کرتے ہو؟''

اس کے جواب میں وہ بولے کہ میں نے ابراہیم تیمی سے سنا وہ اپنے والد سے
روایت کرتے تھے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ ایک دن آں
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ! روئے زمین کی سب سے پہلی مسجد کون
ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد اقصیٰ (بیت المقدس کی مسجد)، میں نے عرض کیا
دونوں کی تعمیر میں کتنا فاصلہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس سال (۲)، اس کے

(۱) طبقات ج/۴، ص/ ۱۶۹

(۲) غالباً غرض یہ ہے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام نے بیت المقدس کی مسجد کی بنیاد تعمیر کعبہ کے چالیس سال بعد
رکھی بائبل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، تفصیل کے لیے غایۃ البرہان امروہوی دیکھنا چاہئے۔

بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"أینما أدرکت الصلوٰۃ فصل فهو مسجد."

''جس جگہ بھی نماز کا وقت آجائے تم وہیں نماز شروع کر دو کہ وہی مسجد ہے۔''

اس حدیث سے سڑکوں پر سجدہ کرنے کی اجازت کا استنباط بظاہر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افتادِ طبع کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ سڑک تو بہر حال کچھ صاف ہوتی ہے اور سجدے کے لئے زیادہ گنجائش کی ضرورت بھی نہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تو یہ حال تھا کہ لیٹنے تک کے لئے وہ یہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ کہاں لیٹ رہے ہیں، کس جگہ لیٹ رہے ہیں۔

نحو کے امامِ اول (۱) اول حضرت ابوالاسود دؤلی سے منقول ہے:

فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک تالاب سے کھیتوں کو پانی دے رہے تھے، چند مسلمان ادھر سے گذر رہے تھے، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر انھیں خیال آیا کہ کاش! ایسے مقدس بزرگ کے موئے مبارک ہاتھ آجاتے تو کیا اچھا ہوتا۔ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کوئی ہے جو اس کام کو انجام دے۔ ان میں سے کسی ایک نے اس مہم کا بیڑا اٹھایا، اور بولا ہاں، میں اس کام کو کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ تالاب پر پہنچا لیکن بدقسمتی سے شاید اضطراب میں اس سے کچھ ایسی حرکت سرزد ہوئی کہ تالاب کا کنارہ اس کی حرکت سے ٹوٹ گیا۔ یہ دیکھتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں تالاب کے پاس زمین پر بیٹھ گئے اور پھر بیٹھنے ہی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ اسی (مرطوب) کیچڑ سے بھری ہوئی زمین پر لیٹ گئے۔ اس شخص نے پوچھا کہ حضرت یہ آپ یکا یک بیٹھ کیا گئے اور بیٹھنے کے بعد لیٹے کیوں؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ

''اے شخص مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں

(۱) مسند احمد ج/۵، ص ۱۵۔

سے جب کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہوا ہے تو چاہئے کہ فوراً بیٹھ جائے کہ اس سے غصہ جاتا رہتا ہے، ورنہ پھر لیٹ جائے۔''

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تالاب کے توڑنے والے پر غصہ آگیا تھا، اسی کے علاج کے لئے آپ بیٹھے، لیکن مجذوبانہ غصہ تھا نہ اُترا، لیکن محمدی جذب کا اثر تھا کہ جذب کے ساتھ اس کا بھی ہوش باقی ہے کہ ایسے موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ہدایت ہے اس پر عمل کرتے ہوئے آپ اسی زمین پر لیٹ جاتے ہیں، خدا جانے اس کے بعد اس بے چارے نے جس مہم کے سر کرنے کا وعدہ اپنے رفیقوں سے کیا تھا وہ سر ہوا بھی یا نہیں، کہ روایت اس پر ختم ہوگئی ہے، مجھے تو اس روایت سے صرف یہ دکھانا تھا کہ جو آدمی اتنی لاپروائی کے ساتھ تالابوں اور کنوؤں کے کناروں کی مرطوب زمینوں پر اس طرح لیٹ جاتا ہو کیا بعید ہے کہ سڑکوں پر سجدہ کرنے کا طریقہ شاگردوں نے اپنے اسی استاد سے سیکھا ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

وارفتگی اور استغراق:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سفروں میں سب سے زیادہ دشوار و زیادہ مشکل سفر تبوک کا تھا۔ حتی کہ بعض صحابہ سے بھی اس کی شرکت میں زلّت (۱) ہوئی جس کے واقعات عام طور سے مشہور ہیں۔ بہر حال اس غزوہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔ عام طور پر چونکہ امتحان اور جانچ کا موقع تھا، صحابہ ایک دوسرے پر نظر رکھتے تھے۔ کوئی آنکھیں بچا کر نکل تو نہیں جاتا ہے، اتفاق سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب عادت ایک دن قافلوں والوں سے پیچھے رہ گئے، نگاہیں تو بکھری ہوئی تھیں، فوراً ایک ہنگامہ برپا ہوگیا کہ ''ابوذر بھاگ گئے، بھاگ گئے''۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشِ اقدس تک جب یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفا شعار فطرت آئینہ کی طرح واضح تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدتوں کے تجربہ کے بعد یقین کرلیا تھا کہ ابوذر رضی

(۱) لغزش

اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ میں جو دل ہے وہ کبھی ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں کو پیچھے لوٹا نہیں سکتا، لیکن آپ مجبور تھے۔ اس وقت صحابہ کی ان چہ میگوئیوں کا کیا جواب دیتے صرف اس قدر فرما کر:

''چھوڑ دو، اس کو چھوڑ دو! اگر اس کی ذات میں کوئی بہتری ہوگی تو خداوند تعالیٰ خود تم لوگوں سے ملا دیں گے۔''

اس قدر فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گو زبان مبارک چپ تھی، لیکن دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تمنا تموّج پذیر تھی کہ کاش ابوذر ملنے میں جلدی کرتا اور لوگوں کو جو اس کی حالت سے بدگمانی ہوگئی ہے وہ جلد دور ہو جاتی۔

آخر یہی ہوا کہ یکا یک آپ کو ہوش آیا۔ آپ جو دیکھتے ہیں تو قافلہ غائب ہے، نہ صحابۂ کرام ہیں نہ وہ ہیں جن کو دیکھ لینے کے بعد ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر کسی چیز کو دیکھنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے بچھڑنے کا انھیں ادھر احساس ہوا، اور دل تھا کہ عجلت اور تیزی کی آرزوؤں میں ڈوب گیا، اونٹ کچھ تو قدرتاً سُست تھا، پھر نکیل کو ڈھیلی پا کر بہت زیادہ دھیما ہو گیا، آپ نے ایڑ لگائی، کوڑے لگائے، لیکن لوگ میلوں آگے نکل چکے تھے، ان کا چھو لینا دشوار ہو گیا، اور یہاں بے تابی حد سے گزر رہی تھے، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیجئے، آخر تھک کر آپ اونٹ سے اتر پڑے، جو کچھ سامان سر پر لاد سکے لاد لیا، اونٹ کو مع پالان وغیرہ کے وہیں چھوڑ کر دوڑتے ہوئے تلاش محبوب میں قدم بڑھانا شروع کیا۔

انجام کار ہانپتے کانپتے قافلہ کے قریب آ گئے، کسی صحابی کی نظر پڑی کہ کوئی شخص پیادہ پا بعجلت تمام آ رہا ہے۔ لوگوں کو خیال تھا، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ پر سوار ہیں، اس لئے یہ کوئی اور شخص ہے فوراً غل ہوا کہ کوئی آ رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگوں نے اطلاع دی کہ جنگل میں کوئی اکیلا تن تنہا پیادہ پا آ رہا ہے، غرض کہ ہر شخص ''کوئی آ رہا ہے، کوئی آ رہا ہے'' کی آواز بلند کر رہا ہے۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا۔ تو ارمان بھرے دل سے جو آواز نکلی آہ! کہ وہ یہ تھی۔

"كن أبا ذر كن أبا ذر."

''ابوذر رہی ہو، ابوذر رہی ہو۔''

ان لفظوں میں کیا مسیحائی ہے؟ تم کو کیا معلوم، قتیلانِ ناز سے پوچھو! کہ اس کلمۂ اعجاز میں کتنے مٹے ہوئے کی جانیں پوشیدہ ہیں، اللہ اللہ، سر باختہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس موت کو دیکھ کر رحم آتا ہے اور یوں زندہ کیا جاتا ہے۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ہستی کو کھو بیٹھے تھے۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس طرح اپنی متاع کھوتا ہے وہ یوں ہی پاتا ہے اور لباس وجود دوبارہ اسے اسی طرح پہنایا جاتا ہے

سینہ کا داغ ہے وہ نالہ جو لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ جو دریا نہ ہوا

نہیں ہو سکتا تھا کہ ادھر سے یہ اعجازانہ الفاظ نکلیں اور دوسری طرف سے گم ہونیوالا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر پیدا نہ ہو، آخر یہی ہوا۔ چند ہی منٹ کے بعد صحابہ میں غل ہوا کہ ''ابوذر رہی ہیں......... ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا، یہ سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رحم انگیز نگاہ ڈالتے ہوئے یہ الفاظ فرمانے لگے۔

"رحم اللّٰه أبا ذر يمشي وحده ويموت وحده ويبعث وحده."

اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے، بے چارہ اکیلا چلتا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔''

مجذوبانہ لباس:

آپ کسی خاص لباس کے مرہون منت نہ تھے، جو جس قسم کا کپڑا پہنا دیتا، پہن لیتے، کبھی کبھی لوگوں نے حلہ قطریہ کو آپ کے جسم مبارک پر دیکھا ہے، جو عرب کے بہترین لباسوں اور

جوڑوں میں خیال کیا جاتا تھا، اور کبھی نہایت ہی خستہ وشکستہ خرقہ گودڑ میں پھرتے، نہ آپ کو اس کی خوب صورتی اور شان کی کوئی پرواہ تھی اور نہ ان ذلیل کپڑوں کی وجہ سے آپ دل تنگ ہوتے تھے۔

کبھی کوئی کپڑا نہ ملتا تو کمبل ہی اوڑھ کر باہر آجاتے۔ ایک دن آپ بدوؤں کا سا کمبل ہی اوڑھے ہوئے تشریف لے جارہے تھے۔ کسی خاص شخص نے پوچھا کہ ''آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ تھا۔''

جواب میں فرمایا کہ ''ہوتا تو تم اس کو ضرور میرے بدن پر دیکھتے۔'' اس شخص نے کہا کل دو دن ہوئے کہ آپ پر میں نے نہایت عمدہ جوڑا دیکھا تھا (وہ کیا ہوا؟)

بولے کہ تھا تو! لیکن ایک شخص کو میں نے دیکھا، جو اس کا محتاج مجھ سے بھی زیادہ تھا، اس لئے اس کے حوالہ کر دیا۔''

اس شخص نے کہا: ''کہ ہرگز نہیں؟ آپ سے زیادہ محتاج اس کپڑے کا اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ یعنی جس شخص کے پاس بجز پھٹے پرانے کمبل کے اور کچھ نہ ہو اس سے زیادہ اور کون محتاج ہوسکتا۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کی ضد کو دیکھ کر آگ بگولہ ہوگئے اور نہایت کرخت لہجے میں فرمانے لگے ''خدا تجھے بخشے، تو نے دنیا کو عظمت کی نگاہ سے دیکھا ہے، کیا میرے جسم پر یہ چادر نہیں (یعنی گو کمبل ہی کی ہے لیکن ہے تو، اور اس شخص کے پاس تو یہ بھی نہ تھی اور کیا ایک چادر نماز پڑھنے کے لئے کافی نہیں۔'' پھر فرمایا:

اے شخص میرے پاس بکریاں ہیں، جن کا میں دودھ پیتا ہوں۔ اور میرے پاس گدھے ہیں، جن پر بازار کی چیزیں خرید کر لاتا ہوں، غلام ہیں جو میری خدمت کرتے ہیں اور کھانے پکانے میں میری مدد کرتے ہیں، اور ہاں، عید بقرعید کے لئے ایک عبا بھی میرے پاس ضرورت سے زیادہ ہے۔ پس تم خود انصاف کرو کہ ان نعمتوں سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہوسکتی ہے؟ بلکہ جو عبا میرے پاس زائد ہے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے اس کا محاسبہ نہ ہو۔(۱)

(۱) طبقات ابن سعد۔

بستر مبارک:

عموماً سونے، لیٹنے، بیٹھنے کے لئے ٹاٹ استعمال فرمایا کرتے تھے، کسی نے عرض کیا تو کوئی نرم گدا اپنے لئے کیوں نہیں بنوالیتے۔ ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے:

''خدایا دنیا میں تو نے جو چیزیں اپنی مرضی سے عطا کی ہیں میں اس کے متعلق بھی مغفرت کا طلب گار ہوں۔''

غالباً مطلب یہ ہے کہ نعمتوں کا لینا آسان نہیں۔ نعمت کے بعد اس کے حقوق جو منعموں پر عائد ہوتے ہیں، مشکل ہے بھول جانے والے ناقدر انسان کا ان حقوق سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے، کسی حد تک اس کا شکر ادا کرسکا اپنے دوسرے ہم جنسوں، قرابت داروں، عزیزوں کے جو حقوق در حقوق اس میں پیدا ہوگئے کہاں تک اسے اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک طرح سے پہنچا سکا۔ پس سچ تو یہ ہے کہ ہر نعمت کے بعد بھی تقصیرات کے عذر بھی اسی قدر کرنے چاہئیں، جتنی ہماری تقصیریں ہیں۔

آپ کی عبادت پر جذب کا اثر:

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ گمان کہ وہ نماز، روزہ یا دیگر شرعی تکلیفات سے آزاد ہوگئے ہیں، ان کی کیفیت کو ناقص اور غیر مکمل بنا دیتا ہے نماز کی پابندی تو اور بات ہے، یہ بھی کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ انھوں نے وقت سے ٹال کر کوئی نماز پڑھی ہو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی کے ساتھ ان کو وقت پر نماز پڑھنے کی تاکید کی تھی۔

جب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے کہ کون سا عمل افضل ہے تو آپ یہی فرماتے کہ ''وقت پر نماز پڑھنی'' اور نہ صرف اس قدر بلکہ آپ نے تاکید کی تھی کہ ابوذر! اگر امراء نماز میں تاخیر کریں اور وقت سے ٹال کر پڑھیں تو تم اپنی نماز وقت پر پڑھ لیا کرو اور پھر ان کے ساتھ مسجد میں آکر شریک ہوجاؤ۔ یہ نماز تمہارے لئے نفل (۱) ہوجائے گی۔

(۱) حلیۃ الاولیاء ص/۱۲۲۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر باوجودیکہ جذب کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ لیکن آج تک کسی روایت سے باوجود تجسس کے مجھے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ کسی وقت کی نماز چھوٹی ہو۔ ہاں اس کے برخلاف البتہ روایتیں ہیں کہ ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہانے کی ضرورت ایسے مقام پر ہوئی کہ وہاں پانی موجود نہ تھا۔ تیمّم کا مسئلہ آپ کو چوں کہ معلوم نہ تھا۔ اس لئے دوڑتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر چلانے لگے:

"هلكت يا رسول الله."

''میں ہلاک ہوگیا ہوں یا رسول اللہ!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیوں، کیوں؟'' بولے: ''کہ میں جہاں تھا وہاں میرے ساتھ میری بیوی بھی تھی، مجھے نہانے کی ضرورت ہوئی۔ اب کیا کرتا نماز قضا ہوگئی۔'' گویا اسی کو اپنی ہلاکت سے تعبیر کررہے تھے، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیمم کا طریقہ بتایا۔

نماز چھوڑتے تو کہاں تک۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خصوصیت کے ساتھ نماز کے مسئلہ میں آپ کا انہماک اس درجہ پر پہنچا ہوا تھا کہ خود ہی فرماتے ہیں، کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھائی، اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز کے بعد بھی اٹھنا نہیں چاہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اپنی قیام گاہ کی طرف اٹھ کر چلے گئے۔ جب آپ نے اچھی طرح اندازہ کرلیا کہ لوگوں کی آنکھیں گھنا گئیں یعنی بند ہوگئیں، لوگ سوگئے، اور سناٹا ہوگیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس مقام پر تشریف لائے، جہاں عشاء کی نماز پڑھائی تھی اور تنہا نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، میں تاک میں تھا، جھپٹ کر آیا اور نیت باندھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ میرے داہنے جانب کھڑے ہو، میں کھڑا ہوگیا۔ اس کے بعد ابن مسعود بھی (جو غالبًا اسی فکر میں کہیں چھپے بیٹھے تھے) وہاں پہنچے، چاہا کہ کھڑے ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے اشارہ فرمایا کہ میرے بائیں جانب کھڑے ہوجائیں۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں اس کے بعد ہم دونوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں صرف ایک ہی آیت کو دہرانا شروع کیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روتے جاتے تھے۔ بہرحال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کو اتنی بار دہرایا کہ صبح کا سپیدہ طلوع ہوگیا۔ اور لوگوں کے ساتھ آپ نے نماز فجر ادا کی۔ ہم اور ابن مسعود اس کے بعد جب آپس میں ملے تو میں نے ابن مسعود سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے کیوں نہیں کہ رات آپ کیا شغل فرمارہے تھے۔ عبداللہ بن مسعود نے ہاتھ ہلا کر کہا نہیں بھائی میں کوئی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہیں عرض کرسکتا، جب تک آپ ہی اس کے متعلق کچھ نہ فرمائیں، تب میں نے خود جرأت کی (اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارگاہِ نبوت میں اس سے زیادہ فراخیاں حاصل تھیں کہ جس طبقہ سے آپ کا تعلق تھا، ان معاملات میں ان کے ساتھ عمومًا نرمی ہی کا برتاؤ کیا جاتا ہے)۔

بہرحال دل مضبوط کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جیسا کہ ان لوگوں کے متعلق مشہور ہے کہ ''در کارِ خویش ہشیار'' اس سے نہیں چوکتے۔ بڑے مزے سے تمہید اٹھاتے ہوئے عرض کرنے لگے۔

"بأبي أنت وأمي قمت بآية من القرآن ومعك القرآن."

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ نے
ایک ہی آیت کے ساتھ نماز پڑھی حالاں کہ آپ کو تو پورا قرآن یاد ہے۔''

اس کے بعد فرماتے ہیں اور کتنے معصومانہ لہجے میں فرماتے ہیں:

"لو فعل هذا بعضنا لجادلنا عليه."

''اگر ہم میں سے کوئی اور آدمی یہ کرتا تو ہم اس سے بگڑ جاتے۔''

اس کے بعد جواب میں امت مرحومہ کے رؤف ورحیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا خدا جانے کتنوں کو دیوانہ بنانے کے لئے کافی ہے، ارشاد ہوا:

''اپنی امت کے لئے گڑگڑا رہا تھا۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان کھل چکی تھی، اب کیا رکتی۔ سوال آگے بڑھا، پوچھنے لگے کہ:

''تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب ملا؟ اور حق تعالیٰ نے کیا فرمایا۔''

گناہ گاروں کے شفیع، آقائے کرم گستر نے اس کے جواب میں فرمایا۔ ''مجھے جواب ملا کہ اگر اس کی بھنک بھی لوگوں کو مل جائے تو لوگ نماز چھوڑ بیٹھیں۔''(۱)

ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت دوسرے حال میں تھے۔ جوش سے سینہ معمور تھا، عالم مستی میں بولے:

''تو کیا دنیا کو یہ بشارت سنا دی جائے۔''

رحمۃ للعالمین کا سمندر بھی اپنی انتہائی مد اور چڑھائی پر تھا، ارشاد ہوا کہ بَلٰی (کیوں نہیں)۔

بَلٰی کی آواز میں بلا کی طاقت تھی، سننا تھا کہ ابوذر اٹھے اور اس مژدے کے اعلان عام کے لئے چل پڑے۔ کہتے ہیں کہ جا ہی رہا تھا اور اتنی دور پہنچا تھا جہاں تک کسی پتھر پھینکنے والے کا پتھر پہنچ سکتا ہے کہ اتنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور دربار رسالت میں عرض کرنے لگے۔

"إنك إن تبعث إلى الناس بهذه نكلوا عن العبادة."

''اگر لوگوں کے پاس یہ بشارت بھیجی جائے گی تو وہ عبادت سے روگرداں ہو جائیں گے۔''

اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی کہ ''واپس ہو جاؤ'' وہ واپس ہو گئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قصہ کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ وہ

(۱) بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ میں اپنی امت کی شفاعت کر رہا تھا اور میری امت میں جو شرک سے بچا رہا وہ اس شفاعت کو پا کر رہے گا یعنی هي نائلة لمن لا يشرك بالله شيئًا.

آیت جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر تکرار فرماتے رہے وہ یہ تھی:

"إن تعذبهم فإنهم عبادك و إن تغفرلهم فإنك أنت العزيز الحكيم." (۱)

''اگر آپ انھیں سزا دیں گے تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر بخش دیں گے تو آپ سب پر غالب ہیں (کون آپ سے پوچھنے والا ہے) اور حکمت دینے والے ہیں۔

اگرچہ قرآن میں یہ آیت حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی ادا کی گئی ہے لیکن مسیح اگر تین خداؤں کے ماننے والوں کے لئے یہ عرض داشت بارگاہِ رب العزت میں پیش کر سکتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اللہ احد کی پوجنے والی امت کے متعلق رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے پیش کرنے سے کیوں جھجکتے۔

بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بشارت کی تبلیغ سے روک دیئے گئے۔ لیکن خود ان تک تو یہ بشارت پہنچ چکی تھی، پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ خود ہی فرماتے ہیں، اور غالباً اس واقعہ کے بعد فرماتے ہیں:

''رمضان کا آخری عشرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہو گئے۔ بائیسویں کی عصر کی نماز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب فارغ ہوئے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:''

''ہم آج کی رات ان شاء اللہ قیام کریں گے، پھر تم میں جس کا جی چاہے وہ میرے ساتھ قیام کر سکتا ہے'' اور یہ تیئیس کی شب تھی۔ نماز عشاء کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی، یہاں تک کہ رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا۔ اس وقت تشریف لے گئے۔ پھر چوبیس کی رات آئی، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز ادا نہیں کی۔ چوبیس کی نماز عصر کے بعد پھر ارشاد فرمایا، انشاء اللہ میں رات قیام کروں گا، تم

(۱) نہ صرف قیام ہی میں بلکہ رکوع و سجود، الغرض نماز کی ہر ہیئت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی آیت کو دہرا رہے تھے۔ ج/۲، ص ۱۴

میں سے جس کا جی چاہے وہ قیام کرسکتا ہے۔ یہ پچیس کی رات تھی۔ تہائی رات گزرے یہ
نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی رہی۔ چھبیس کی رات آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ
نہیں فرمایا، لیکن اس چھبیسویں کی عصر کے بعد پھر فرمایا کہ آج شب کو بھی انشاءاللہ میں قیام
کروں گا، یعنی ستائیسویں کی شب میں آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جس کا جی چاہے وہ
قیام کرسکتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اب کے

"فتجلدنا للقیام."

''بڑی مضبوطی کے ساتھ ہم لوگ قیام کے لئے تیار ہوئے۔''

فرماتے ہیں کہ آج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے دو تہائی حصہ
تک قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوکر اپنے اس قبہ میں تشریف
لے گئے، جو مسجد ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ میں نے جاکر عرض کیا:

"کُنا لقد طمعنا یا رسول اللّٰہ أن تقوم بنا حتی تصبح."

''یا رسول اللہ ہم لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
آج کی رات صبح تک ہم لوگوں کے ساتھ قیام فرمائیں گے۔''

اگرچہ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی یہ تشفی فرمادی:

"یا أباذر إنك إذا صلیت مع إمامك وانصرفت إذا
انصرفف کتب لك قنوت لیلتك."

''ابوذر جب تم اپنے امام کے ساتھ اس نماز (عشاء) کو ادا کرلو
اور امام کے ساتھ تم بھی نماز سے فراغت حاصل کرلو تو تمہارے لئے شب
بھر کے قنوت (قیام اللیل) کا ثواب لکھا گیا۔''

لیکن مجھے تو صرف یہ دکھانا ہے، وہ جو عبادت حق کو اپنے وجود کا نصب العین اور
قیمت قرار دے کر، جبراً نہیں بلکہ شکراً اپنی تمام عاجزانہ اعترافات کے ساتھ مالک کے

آگے کھڑے ہوتے ہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا اثر یقیناً ان اثرات سے
مختلف ہوتا ہے اور ہونا چاہئے جو ان پر مرتب ہوسکتے ہیں، جن کی نارسائیوں نے اب تک
ان کو اس کے پہنچنے کا موقع نہیں دیا کہ جب سب کچھ انسان کے لئے ہے تو آخر انسانی وجود
بھی اپنے اندر کوئی مقصد رکھتا ہے یا نہیں۔ اور آہ! کہ رب کو بھلا دینے والوں میں کیا کیجئے
کہ ان ہی کی زیادہ کثرت ہے جنھوں نے خود اپنے آپ کو اپنے حافظہ سے باہر کردیا ہے۔
وہ عالم کی ہر چیز سے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ کس لئے ہے، ہَوا کس لئے ہے، پانی کس لئے
ہے، برق کس لئے ہے، اور اسٹیم کس لئے ہے۔ لیکن افسوس ہے ان پر کہ انھوں نے کبھی
اپنے متعلق نہیں نہیں پوچھا کہ خود ہم کس لئے ہیں۔ پس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ
فرمایا کہ اگر اس بشارت کی بھنک ہی اس کو مل جائے گی تو وہ عبادت ترک کر بیٹھتے ہیں یا
جس کی تصدیق حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی کہ وہ عبادت سے پھر جائیں
گے یقیناً اس کا تعلق ان ہی لوگوں سے ہے جو انسانی ہستی کو سلسلۂ موجودات کی ایک سُدیٰ
اور عبث ترین ہستی ٹھہرانا چاہتے ہیں۔ ورنہ آپ نے دیکھا کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان
بشارتوں کو سنتے جاتے ہیں اور اس کو ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ ہماری آرزو تو یہ تھی کہ
آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے ساتھ صبح تک قیام فرماتے یہ ہے جذب کی وہ حقیقی
قسم جس میں انسان کھنچتا ہے اپنی تمام آرزوؤں اور خواہشوں سے کھنچتا ہے اور اس طرح کھنچتا
ہے کہ بجز مرکز وجود کے اس کے لئے پھر کہیں چین نہیں اور یہ معنی ہیں مجذوب کے۔ سب
سے کھنچ کر صرف ایک ہی کے اندر جذب ہوکر رہ گیا۔ "فرضي اللّٰه عنهم و رضو عنه."

بہرحال نماز آپ سے کبھی نہیں چھوٹی اور نہ فرائض میں کسی قسم کی بے اعتدالی آپ
سے منقول ہے۔ ہاں نوافل میں بھی کبھی جوش و سرمستی، غلبۂ حال کے وقت بعض ایسی باتیں
آپ سے سرزد ہوجاتی تھیں، جہاں جذب کا رنگ آپ کو تمام صحابہ سے ممتاز کردیتا تھا۔

زید بن مطرف کہتے ہیں کہ ہم ایک قریشی حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں
ایک شخص آیا اور نمازیں پڑھنا شروع کیں۔ میں نے جو غور کیا تو دیکھتا ہوں کہ وہ کھڑا ہوا

پھر رکوع میں گیا اور سجدہ کر کے کھڑا ہو گیا، الغرض وہ صرف رکوع سجدے کر رہا ہے لیکن قعدہ نہیں کرتا (چونکہ دوسری رکعت پر بیٹھنا ضروری ہے) اس لئے زید نے کہا کہ یہ کون شخص ہے؟ اس کو اس کی بھی خبر نہیں کہ جفت رکعتوں پر سلام پھیرنا چاہئے یا طاق پر۔

لوگوں نے کہا: ”کہ بے چارہ اگر غلط پڑھ رہا ہے تم تو جا کر سمجھا دو“۔ زید اٹھے قریب آئے اور کہا:

”خدا کے بندے! آپ کو اس کی بھی خبر ہے یا نہیں کہ کہاں پر
سلام پھیرنا چاہئے اور کہاں بیٹھنا چاہئے، جفت پر یا طاق پر۔“

اس شخص نے کہا:

”کہ مجھ کو اگر خبر نہیں ہے تو خدا کو خبر ہے اور میں ان باتوں کو نہیں
جانتا۔ میں نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص اللہ
کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تین کام کر دیتے ہیں۔“

مطلب یہ ہے کہ حساب و کتاب سے ہم واقف نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کی یہ تعریف کی ہے، پس ہم سجدے کرتے رہتے ہیں۔ رہا گن کر یہ سمجھنا کہ اب ہم اتنے کہ حق دار ہو گئے، ہمیں اس کی ضرورت نہیں

تو بندگی چوں گدایاں بشرط مزد مکن
کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری دان

زید کو آپ کی اس قسم کی باتوں سے حیرت ہوئی پوچھنے لگے کہ آپ ہیں کون صاحب؟

حضرت نے فرمایا: ابوذر۔

یہ سننا تھا کہ زید کے ہوش اڑ گئے اور اپنی مجلس کے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے:

تم لوگ نہایت برے ساتھی ہو، مجھے تم نے اس لئے بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کو تعلیم دوں۔

الغرض کبھی کبھی نوافل میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس قسم کی بے

ضابطگیاں ضرور ثابت ہیں، اگرچہ وہ اصل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں تاہم حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو حال تھا اس کو پیش نظر رکھنے کے بعد علماءِ شرع بھی اس کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اور آج بھی کسی کا وہی حال ہو جائے جو ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا اور پھر ایسے شخص سے نوافل وغیرہ میں اس قسم کی باتیں سرزد ہوں تو ان پر نکیر نہیں کرنا چاہئے اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں جس نوعیت کے واقعات ملتے ہیں اگر ان کی توجیہ اس بنیاد پر نہ کی جائے، جو میرا خیال ہے تو پھر شرعاً اس کی تصحیح کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

جمعہ کی نماز یا خطبہ میں کلام:

نہ صرف نماز بلکہ جمعہ کے خطبہ میں بھی کلام کرنا ناجائز ہے اور فقط کلام ہی نہیں بلکہ جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز کے متعلق ایک مشہور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تم میں کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو اس کو معلوم ہو جانا
چاہئے کہ رحمتِ الٰہی اس کے سامنے ہے پھر کنکری تک نہ ہلاؤ۔“(۱)

اسی طرح خطبۂ جمعہ کے متعلق بھی حدیثوں میں آیا ہے کہ آدمی کنکریوں سے بھی نہ کھیلے! لیکن سنئے! حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال سنئے، ابتدائے اسلام کا واقعہ نہیں ہے، جس وقت نماز وغیرہ میں کلام اور حرکت کی ایک حد تک اجازت تھی، بلکہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ سورۂ براءت جو قرآن مجید کی آخری سورتوں میں ہے اور فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے نازل ہونے کی بھی اطلاع نہیں ہوئی تھی، گویا ان ہی دنوں میں اتری تھی۔ بہرحال اسی زمانہ کا یہ عجیب واقعہ ہے جسے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیہقی نے اپنے سنن میں روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ جمعہ کا دن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت خطبہ پڑھ رہے تھے۔ میں مسجد میں داخل ہوا تھا، اور ابی بن کعبؓ کے پاس بیٹھ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ براءت پڑھنی شروع کی روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ آیا حضور صلی

(۱) مسند احمد

اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ہی میں یہ سورت پڑھنی شروع کی یا نماز میں؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابی سے پوچھا کہ یہ سورت کب نازل ہوئی؟ لیکن وہ خاموش رہے اور کچھ نہ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے اُبیؓ سے پوچھا کہ تم نے بھائی مجھے جواب کیوں نہیں دیا۔ اُبیؓ نے اس کے جواب میں کہا:

"مالك من صلاتك إلا ما لغوت."

''تم کو اپنی نماز سے لغو گوئی کے سوا کچھ نہ ملا۔''

حضرت اُبیؓ کی زبان سے یہ فتویٰ سنتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے:

"كنت بجنب أبيّ وأنت تقرء براءة فسألته متى نزلت فتجهمني ولم يكلمني ثم قال مالك من صلاتك إلا مالغوت."

''میں اُبیؓ کے پہلو میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ براءت پڑھی، میں نے اُبیؓ سے پوچھا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی؟ تو مجھ سے منھ کھڑ بالیا اور مجھ سے نہ بولے، پھر نماز کے بعد کہا کہ تم کو اپنی نماز سے لغو گوئی کے سوا اور کچھ نہ ملا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب سن کر صرف اس قدر فرمایا:

"صدق أبيّ."

''اُبیؓ نے سچ کہا۔''

سوال یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کی نماز میں اس وقت مسجد میں آتے ہیں، جب خطبہ شروع ہوسکتا ہے، حالاں کہ تبکیر یعنی سویرے آنے کی جمعہ کی نماز میں سخت تاکید ہے اور عموماً عہد نبوت بلکہ عہد خلافت راشدہ میں بھی تاخیر کرنے والوں سے باز پرس ہوتی تھی۔ اس کے سوا اگرچہ قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گفتگو نماز میں ہوئی، لیکن حضرت اُبیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا:

"مالك من صلوتك إلّا لغوت."

''تم کو اپنی نماز سے صرف لغو گوئی ملی۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لغو گوئی نماز میں واقع ہوئی تھی۔ نیز حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کہنا کہ "كنت بجنب أبيّ" (میں ابیؓ کے پہلو میں تھا) بظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نماز ہی کا ہے اور نماز کا نہ بھی ہوتو خطبہ میں ہونا تو اس کا قطعی ہے اور کلام کے عدم جواز کا حکم جس طرح نماز میں ہے خطبہ میں بھی ہے۔ خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز جمعہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے "مالم يلغ" (لغو گوئی سے پرہیز کرتا رہے) کی قید لگاتے تھے۔ مگر باوجود ان تمام باتوں کے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام امور کے مرتکب ہوئے۔ اور بارگاہ نبوت سے اگرچہ حضرت اُبیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتویٰ کی توثیق ہوئی، لیکن ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی کچھ سمجھایا گیا۔ کوئی سرزنش کی گئی۔ کچھ پوچھا گیا؟ روایت اس سے ساکت ہے، ایسی صورت میں بجز اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے، کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس حال میں تھے اس میں ان امور کی گنجائش تھی۔ والله أعلم بالصواب۔

امامت کے لئے پیش قدمی:

قطع نظر اس کے شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ کسی دوسرے کی مسجد یا دوسروں کے گھر میں بغیر اس مسجد کے امام اور مالک خانہ کی اجازت کے امامت کیلئے خود پیش قدمی نہ کرنی چاہئے، یوں بھی آدمی دوسرے کے گھر میں امامت سے شرماتا ہے، خود ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ امامت کرنے کا خواہ مخواہ شوق نہ تھا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ جب ربذہ جس کا ذکر آئندہ آتا ہے، پہنچے، وہ ایک معمولی جگہ تھی۔ اونٹوں کا چرانے والا ایک حبشی غلام چند لوگوں کیساتھ نماز پڑھایا کرتا تھا۔ حسب دستور وہی امامت کے لئے آگے بڑھا، لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر پیچھے ہٹا، اور اشارہ کیا کہ آپ آگے بڑھیں۔ لیکن آپ نے فرمایا "كَمَا أَنْتَ" جس طرح کھڑے ہو کھڑے رہو، یعنی امامت کراؤ۔

ایک اونٹ چرانے والے کے ساتھ آپ کا یہ حال ہے، اب عالم وارفتگی کا ایک واقعہ سنئے........انصاریوں کے ایک آزاد کردہ غلام ابوسعید نامی نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ کی دعوت کی، نماز کا وقت آیا تو مالک خانہ کے بغیر اجازت کے بڑے بڑے.........صحابیوں کے ہوتے ہوئے، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود ہی امامت کے لئے آگے بڑھ گئے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ٹوک دیا، فرمایا ابوذر! پیچھے ہو جاؤ یعنی مالک خانہ کی اجازت کے بغیر تم خود کیسے آگئے۔ اب ہوش آیا، پلٹ کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھتے ہیں۔ "أکذاك ابن مسعود"، کیا مسئلہ یوں ہی ہے ابن مسعود؟ انھوں نے فرمایا ہاں سنتے ہی آپ پیچھے ہو گئے۔ (۱)

کیا حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان حالات کی یہ تاویل نہ کی جائے تو یہ کیا مان لیا جائے کہ وہ بھی اس زمانہ کے ان عالموں میں تھے، جن کو خواہ مخواہ امامت کا شوق ہوتا ہے۔ ہاں قصداً ہوش وحواس رکھتے ہوئے اگر کوئی ان باتوں کا ارتکاب کرے گا، خواہ نفل ہی کیوں نہ ہو تو یقیناً ناجائز ہے کہ دین کے ساتھ تلاعب ولہو کے مترادف ہے۔

الحاصل ان چند واقعات کے درج کرنے سے میرا مقصود صرف اس قدر ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میں نے جو کچھ سمجھا ہے دیکھنے والے غور کریں کہ آیا اس کا کوئی منشا ہے بھی یا نہیں۔

اور اسی لئے میں اپنے دعویٰ کو زیادہ موثق ووزن دار بنانے کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی شہادت بھی اسی کے تحت میں درج کئے دیتا ہوں اس سے آپ کی علمی وسعت وتبحر کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شہادت:

کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے پوچھا کہ آپ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیسا خیال فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

"وعیٰ علمًا عجز فیه."

"انھوں نے ایک علم کو محفوظ کیا جس میں عاجز آگئے۔"

عموماً علمائے حدیث اس جملے کو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد خود متحیر ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے۔(۱)

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ بعضوں کا خیال ہے" کہ جو کچھ ان کے پاس تھا اس کو ظاہر نہ کر سکے۔" بعض کہتے ہیں کہ یہ نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ "جس علم کو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے وہ حاصل نہ کر سکے"، واللہ اعلم۔ امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کا واقعی مقصد کیا ہے؟

لیکن میرے نزدیک تو اس جملہ کا مطلب بالکل کھلا ہوا ہے۔ اور انشاء اللہ وہ واقعیت سے بہت زیادہ قریب ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ "صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سیکھتے تھے عموماً وہ علوم ایسے ہوتے تھے جن کو براہِ راست عمل سے تعلق تھا، کیونکہ اعتقادات کے باب میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اجمال وایمان بالغیب کے مضبوط ومحفوظ اصول کو پیشِ نظر رکھا، جو کچھ بھی تفصیل کی وہ محض عملیات کی، ماسوا اس کے عام طور پر عقائد کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ وہ صرف ماننے اور ایمان لانے کی چیزیں ہیں، عمل سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، میرے نزدیک یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ ظاہر ہے اعمال کی پابندی یقیناً ایک بڑی آزمائش اور شریعت کا اہم مطالبہ ہے، لیکن عقائد صحیحہ جن کو ہم علوم صحیحہ بھی کہہ سکتے ہیں ان کو اپنے اندرونی احساسات یقین واذعان کے ساتھ وابستہ کرنا اور ان کے مقابل جو باطل اور کاذب معلوم ہوں ان کو مٹانا، جہاں تک تجربہ کا تعلق ہے اعمال جوارح سے یہ زیادہ مشکل ہے۔ بہر حال عقائد ہوں یا اعمال عمل کی دونوں میں ضرورت ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قبول واثر پذیری کا مادّہ جتنا تیز تھا وہ تم پڑھ چکے، اور واقعات سے خود بھی اندازہ لگا سکتے ہو۔ یہی وجہ ہوئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جو کچھ سنتے تھے ٹھیک اسی طرح اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے، بلا کسی

(۱) بیہقی ج ۲/ص ٦٧

چون وچرا کے جس طرح آپ سے سنتے، کوشش کرتے کہ اسی طرح ہم اسے ادا بھی کردیں۔ وہ چاہتے تھے کہ میرا عملی نقشہ پورے طور سے منطبق ہوجائے۔

اس باب میں ان کو اس قدر غلو اور تشدد تھا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی قوت بھی اگر اس معاملے میں آڑے آجاتی تو آپ کو اس کی بالکل بھی پروا نہ ہوتی تھی۔ واعظانہ مشورے، ناصحانہ پند وتذکیر مرتے دم تک ان کو اس مرکزِ ثقل سے ہلا نہ سکی، حتی کہ اپنے اسی امتیاز پر آپ کبھی ناز بھی کرتے ہوئے فرماتے کہ:

"لوگو! میں قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب رہوں گا، کیوں کہ میں نے سنا ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم میں سب سے زیادہ قریب قیامت کے دن مجھ سے وہ شخص ہوگا جو دنیا سے اسی حال میں رخصت ہو، جس حال میں میں اسے چھوڑ کر جاؤں، اور خدا کی قسم اب تم میں کوئی ایسا نہیں رہا جو اپنی پہلی حالت پر قائم ہو اور اس کے ساتھ کوئی نئ چیز نہ لپٹ گئی ہو بجز میرے۔" (۱)

اور یہ دعویٰ ان کا صرف ذاتی نہ تھا، بلکہ سید العالم رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تصدیق کی تھی۔ طبقات میں ہے کہ ایک دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کون ہے جو مجھ سے اسی طرح آکر ملے گا جیسا کہ میں اسے چھوڑ جاؤں گا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "میں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی زبان سے اس کے جواب میں فرمایا:

"صدقت."

"سچ کہتے ہیں (یعنی تم اس حال میں مروگے، جس حال میں

(۱) حتی کہ شیخ ابوعمر بن عبدالبرؒ کو جب عجز فيه کی کوئی صحیح توجیہ معلوم نہ ہوسکی تو انھوں نے استیعاب میں عجز فيه کے لفظ کو عجز عنه سے بدل دیا۔ ممکن ہے نسخ یا طباعت کی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہوگیا ہو، جو عام طور سے پیدا ہوجاتی ہے، استیعاب ج/۴ مطبوعہ حیدرآباد۔

تمھیں چھوڑ جاؤں گا)۔"

خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی فرمایا کرتے:

"اب دنیا میں کوئی نہیں رہا، جو خدا کی باتوں میں ملامت کرنے والوں کی طعن وشناعت سے نہ ڈرتا ہو سوائے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔"

اور اخیر میں خود چھاتی پیٹتے اور فرماتے:

"حتی کہ میں اپنے نفس کو مستثنیٰ نہیں کرتا۔"

الغرض "عجز فيه" کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے علم اور معلومات سے مغلوب وعاجز آگئے تھے، جو کچھ جانتے تھے اس کے خلاف کرنے پر آمادہ وقادر نہیں رہتے تھے۔ تعجب ہے کہ کرم اللہ وجہہٗ تو:

"عجز فيه."

"علم میں عاجز آگئے۔"

فرماتے ہیں اور بعض شراح حدیث اسے عجز عنه سمجھ کر اپنے خود ساختہ معانی کو اس پر خواہ مخواہ منطبق کرنا چاہتے ہیں، اور بعض نے تو یہ کیا کہ جب اس لفظ پر ان کا مطلب چسپاں نہ ہوا تو انھوں نے "في" کے لفظ کو "عن" سے بدل دیا، جس کا میں حاشیہ میں ذکر کر آیا ہوں۔

اور یہ بالکل سچ ہے کہ تعمیل ارشادات نبویہ میں جو نمونہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا کے آگے پیش کیا، اس سے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے علم سے بالکل مقہور ومغلوب ہورہے تھے۔

دنیا کی حقارت، یہاں کے مال ومتاع کی حقیقتوں کے متعلق حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کچھ کہا گیا تھا، جنھیں مختصر طور پر میں اوپر نقل کرچکا ہوں۔ اس کا مقتضیٰ تھا کہ وہ ایک خشک زاہد صحرائی بن کر زندگی گزار دیتے نہ شادی کرتے نہ بیاہ، نہ آبادیوں میں رہتے نہ اور کچھ سامان کرتے۔

(۱) طبقات ابن سعد، مسند احمد۔

میں لکھ چکا ہوں کہ اسی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی سکھایا تھا کہ دنیا میں رہ کر زاہد بننے کی کوشش کرو

درکفے جامِ شریعت درکفے سندانِ عشق

گویا یہ نظارہ خدا کے آگے پیش کرو۔ ان دونوں پلّوں کو مساوی طور پر قائم کر کے دنیا میں رہنا، حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ دشوار گزار راستہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ ابھی گزر چکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر احد پہاڑ سونا ہو جائے تو اس کی وقعت میرے سامنے اس سے زیادہ نہیں کہ تین دن میں سب کو لٹادوں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی جاہ وجلال کی طرف مطلق توجہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اسی کے مقابلہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عکاف صحابی سے پوچھتے ہیں، کیا تمہارے پاس بیوی ہے؟

عکاف نے کہا: ”جی نہیں۔“

آپ نے فرمایا: ”کہ اگر بیوی نہیں تو کوئی کنیز اور لونڈی (یعنی شرعی حرم) بھی ہے؟“ عکاف نے کہا: ”کہ وہ بھی نہیں۔“

آپ نے فرمایا: ”کہ تم فارغ البال صاحبِ فراخی نہیں ہو؟“

عکاف نے کہا: ”جی میں دنیا کی جانب سے مطمئن اور خوش ہوں۔ (یعنی مال دار ہوں)۔

آپ نے فرمایا: ”کہ تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو، اگر تم نصرانی ہوتے تو ان کے راہبوں میں شمار کئے جاتے۔ نکاح میرے طریقہ میں داخل ہے، تم میں سب سے زیادہ بدوہ لوگ ہیں جو مجرد اور کنوارے ہیں۔ سب سے ذلیل ترین کمینہ وہ مرد ہے، جو بحالت تجرد زندگی گزار کر مرجاتا ہے۔

کیا تم لوگ شیطان کے تختۂ مشق بننا چاہتے ہو؟ شیطان کا وہ ہتھیار جو اچھے لوگوں میں بآسانی اتر جاتا ہے، صرف عورت ہے، ہاں جنھوں نے شادیاں کیں، وہ لوگ پاک دل والے ہیں، سیاہ اعمال سے دور اور کنارہ ہیں۔

عکاف، تجھ پر افسوس ہے! یہی عورتیں تھیں، جنھوں نے ایوبؑ، یوسفؑ، داؤدؑ، کرسف (۱) کے ساتھ کیا گیا۔

بشر بن عطیّہ بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کرسف کون شخص ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”کسی گزشتہ زمانہ میں اس نام کا ایک عابد تھا جو کسی دریا کے کنارے بیٹھ کر تین سو برس تک عبادت میں مصروف رہا وہ دن بھر روزے رکھتا تھا اور رات بھر نمازیں پڑھتا۔

آخر ایک دن کسی عورت کے عشق میں مبتلا ہوا اور ساری ریاضتوں کو چھوڑ کر اس کے پیچھے دیوانہ ہو گیا۔ بہرحال اخیر میں اس کی حالت درست ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا خداوند تعالیٰ نے اس کے قصور سے درگزر کیا“۔

اس کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عکاف کی طرف پھر متوجہ ہوئے اور سمجھانا شروع کیا۔

”عکاف! تجھ پر افسوس! نکاح کر! ورنہ تو ہمیشہ مذبذب رہے گا، یعنی طمانیت وسکینت تجھے حاصل نہیں ہوسکتی۔“

عکاف نے اس کے بعد درخواست کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ ہی میرا عقد جس سے چاہیں کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ کریمہ بنت کلثوم حمیری سے میں نے تیرا نکاح کر دیا۔ (۲)

اس حدیث سے نکاح کا مسئلہ جس قدر اہم ہو جاتا ہے۔ اسے کون نہیں سمجھتا اور شادی کے بعد دنیاوی الجھنوں کا جو طوفان امنڈتا ہے آج اس سے کون واقف نہیں۔

مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان نبوی علوم نے اسی طرح عاجز ولاچار بنا دیا تھا کہ انھوں نے یہ بھی کیا اور وہ بھی کیا۔ غایت احتیاط کے ساتھ نباہ کر ایک عجیب وغریب قوت عملیہ کا ثبوت انھوں نے پیش فرمایا۔

---

(۱) یعنی عورتوں کی وجہ سے ان لوگوں کو بعض فتنوں میں مبتلا ہونا پڑا جس کی تفصیل کتب تفسیر میں موجود ہے، یہ مطلب نہیں کہ یہ انبیاء معصومین کسی حرام فعل کے معاذ اللہ مرتکب ہوئے۔

(۲) مسند احمد۔

آپ کا اپنی بیوی کے ساتھ برتاؤ:

مثلاً تم پڑھ چکے ہو کہ آپ میں مجذوبیت بھی تھی وارفتگی بھی، استغراق بھی تھا، سب کچھ تھا، مگر باوجود ان تمام باتوں کے آپ ہمیشہ ایک عورت اپنے پاس رکھتے تھے کسی معمولی سفر میں بھی جاتے تو عموماً آپ کی بیوی ہمراہ ہوتیں اور اس میں آپ محض مجبور ولاچار تھے۔

آخر عکاف ؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا تم سمجھ سکتے ہو کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل ودماغ پر اس کا کیا اثر ہوا ہوگا۔ جس قسم کے تسلیمی جذبات حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے میں موجزن تھے۔ حق تو یہ ہے ان کو دیکھتے ہوئے پھر اس فعل پر کچھ تعجب نہیں ہوتا۔

الغرض ان وجوہ سے تو آپ نکاح کو اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ آپ کا برتاؤ کس قسم کا تھا۔ قاعدہ ہے کہ جب عورت انسان کے گھر آتی ہے تو خواہ مخواہ فطرۃً آدمی کے مُردہ احساسات زندہ ہوجاتے ہیں۔ کسی قسم کا شخص ہو، لیکن اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے اچھے کپڑے پہنائے، عمدہ زیوروں سے آراستہ کرکے اپنی آنکھیں سینکے، عطر اور پھول سے ہمیشہ اس کے جامہ وبدن کو معطر رکھے، یہ کرے وہ کرے۔ الغرض قدرتاً اس قسم کے خیالات اوّلاً تو خود ہی دماغ میں ابھرتے ہیں، پھر نئی نویلی دلہنوں کی فرمائشوں کی بدولت یہ کریلا اور نیم چڑھ جاتا ہے اور اس کا آخری انجام اکثر یہی ہوا ہے کہ انسان اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے ہر ایک قسم کے وسائل وذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے اور آہ! کہ جس فعل کو وہ کبھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے کرنے پر نہ صرف آمادہ بلکہ بسا اوقات کر گزرتا ہے۔ یہ ایک کاری سحر، چلتا ہوا جادو ہے، جس کے بعد کم روحیں نسوانی منتروں کے ہوش رُبا تاثیروں سے نجات پاسکتی ہیں۔

مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان عاجزی کو دیکھو! اندازہ کرو کہ نبوی احکام وتعلیموں نے اس کو اپنا کس قدر مغلوب ومقہور بنا رکھا تھا۔ وہ نکاح بھی کرتے ہیں، اور جب ان کی بیوی صاحبہ فرمائش کرتی ہیں تو آپ گھر سے نکل کر مجمع عام میں فرماتے ہیں:

''تم لوگ اس کالی کلوٹی کو دیکھتے ہو؟ مجھ سے کہتی ہے کہ عراق

جاؤ اور جب میں جاؤں گا تو مسلمان میری طرف روپے پیسے لے کر جھکیں گے، لیکن ہم کیا کریں ہمارے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا ہے کہ پل صراط کے قریب ایک راستہ ہے، جس پر پاؤں پھسل جاتے ہیں اس پر ہلکا پھلکا چلوں یہی ہمارے لئے بہتر ہے، بہ نسبت اس کے روپے اور پیسوں کے بوجھ میں لدا ہوا گرانبار ہوکر اسے عبور کرلوں۔''(۱)

صرف اس قدر کہہ کر آپ ان فرمائشوں کو ٹال دیتے، جو کچھ حلال اور پاکیزہ طریقہ سے آپ کے پاس آتا تھا، وہی دے دیتے اس کے بعد ان کی فرمائشوں کی پروا کرتے، نہ اپنی نفسانی خواہشوں سے متاثر ہوتے کہ یہاں نفس باقی ہی کب تھا، وہ تو شادی بھی کرتے لیکن عکاف کی مجلس کی داستان نے آپ کو مجبور ومعذور کردیا۔

آپ ؓ کی بیوی صاحبہ کی حالت:

یہی وجہ تھی کہ آپ کو اپنے حرم محترمہ کی زیبائش وآراستگی کا کبھی خیال بھی پیدا نہ ہوا۔ اوّلاً آپ کے نکاح کے لئے صرف عورت شرط تھی، اس سے بالکل بحث نہ تھی کہ وہ کیسی ہو، کس رنگ کی ہو وغیرہ وغیرہ۔

مؤرخین جہاں آپ کی بیوی کا حال لکھتے ہیں، تو ان کی توصیف ہمیشہ ان لفظوں میں کی جاتی ہے:

''تحته إمرأة سحماء.''

''حضرت ابوذر ؓ کے ساتھ ایک کالی عورت رہتی تھی۔''

عبداللہ بن خراش کعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن آپ سے کہا بھی کہ آپ نے یہ کیا کالی کلوٹی عورت سے نکاح کیا ہے تو فرمانے لگے کہ بھائی جس بیوی کی وجہ سے لوگ مجھے ذلیل خیال کریں اسے میں ایسی عورت سے بہتر سمجھتا ہوں، جس کی وجہ سے لوگوں میں میری خاص وقعت ہو کہ یہ وہ شخص ہے، جس کی بیوی نہایت پری پیکر اور عالی خاندان ہے۔

(۱) مسند احمد

ان کی زیب وزینت:

اور نہ صرف اس قدر کہ مرءۃ سمحاء تھیں بلکہ مؤرخین کا بیان ہے کہ آپ کہ آپ کو ان کی زینت وزیبائش بناؤ سنگار سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ صرف نکاح کرلیا تھا، کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی۔

ابواسماء رجبی کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی بیوی کو ایک دفعہ دیکھا تھا۔ نہ ان کے کپڑے خوشبو میں بسے ہوئے تھے اور نہ ان کے بدن پر اور کسی قسم کی زیب وزینت کا نشان تھا۔(۱)

زیور:

میں نے بہت تلاش کیا، لیکن غایت جستجو کے بعد طبقات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بیوی صاحبہ کے کان میں بالیاں پڑی ہوئی تھیں (۲) اس کے علاوہ اور کسی زیور کا پتہ نہیں چلتا۔ پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ بالیاں سونے کی تھیں یا چاندی کی یا کسی اور دھات کی۔

الغرض نبوت سے جو علم ان کو ملا تھا، ان سے آپ کی یہی عاجزیاں ہیں جن کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ اکبر، زہد کا تقاضا ہے کہ شادی بھی نہ ہو، زیور بھی نہ ہو، اور شادی کا تقاضا ہے کہ دنیا کے تمام ساز وسامان ہوں، یہ بھی ہو وہ بھی ہو۔

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ تھا کہ ان چٹانوں کو سینے پر رکھا، اور بغیر کسی تشویش کے دونوں کو جمع کر کے دکھا دیا۔

برلبِ کوثر بداغ تشنگی خوی کنم

کا حیرت انگیز نظارہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں نظر آتا ہے۔

آپ کا گھر:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راہبانہ صحرانوردیوں سے روکا بھی تھا۔ اور اس دنیا کو ایک گزرگاہ اور راستہ سے تشبیہ دے کر اپنے آپ کو ایک مسافر کی مانند بتایا ہے، جو کسی

(۱) طبقات ابن سعد (۲) طبقات ابن سعد

چھاؤں کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں ارشادوں میں عملی تطبیق اس طرح دی تھی کہ آپ جب تک مدینہ منورہ میں رہے زیادہ تر اِدھر اُدھر پڑے رہتے، کبھی مسجد میں کبھی صُفّہ میں سو جاتے اور اس کے بعد آپ جہاں کہیں رہے کمبل کے خیمہ میں رہے (۱)۔ شام کے غدّار شہر دمشق میں بھی جب تک آپ رہے مشتِ صوف کے جھونپڑے ہی میں رہے، اپنے بال بچوں کیساتھ اسی قسم کے خیموں میں اپنی زندگی گزار دی، حتیٰ کہ جس مکان میں آپ نے اپنی آخری سانس پوری کی اس وقت بھی دیکھنے والوں نے یہی دیکھا کہ صوف کے معمولی خیمہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش پڑی ہوئی تھی (۲)، پس اگر چہ وہ پہاڑ کھوہ میں نہیں گئے، لیکن شہروں کے وسط میں ہی آپ نے کھوہ بنالیا تھا اور یوں

ایں طرفہ تماشا بیں لب تشنہ بآب اندر

کے خیالی تصور کی واقعی تصویر، اپنی پوری زندگی سے کھینچ کر انھوں نے دکھا دی تھی۔

روپئے پیسے کے متعلق آپ کی تدبیر:

میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''کہ اے ابوذر! جس سونے اور چاندی پر گرہ لگائی گئی، وہ اس کے مالک کے لئے انگارے ہیں۔'' ادھر تو ارشاد فرمایا جاتا، تھا دوسری طرف حکم تھا کہ ''بہترین کاموں میں یہ ہے کہ لوگوں کو کثرت سے سلام کیا کرو، مہمانوں کی مہمان نوازی کرو اور رات کو نمازیں اس وقت پڑھو جس وقت دنیا کے لوگ سو چکے ہوں۔'' ظاہر ہے کہ مہمان نوازی کے لئے از بس ضروری ہے کہ انسان کے پاس کچھ پس انداختہ ہو۔ (۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں فرمانوں میں اس طرح تطبیق دی تھی، کہ آپ کا سالانہ وظیفہ جس وقت بیت المال سے ملتا اٹھتے اور اپنی لونڈی کو لے کر

(۱) طبری کامل وغیرہ۔ (۲) طبقات ص: ۱۸۴

(۳) طبری، کامل وغیرہ، طبقات ص/ ۱۸۴۔

سال بھر کا سامان خرید لیتے۔

اس کے بعد لٹاتے بانٹتے پھر جو کچھ بچ جاتا اس کے پیسے بھنا لیتے۔ لوگ پوچھتے کہ تمام روپوں کو پیسے بنانے کی کیا ضرورت۔ آپ فرماتے کہ چاندی اور سونے کے رکھنے کی مجھے اجازت نہیں، اس لئے میں اسے پیسے بنالیتا ہوں تا کہ میں ان لوگوں میں نہ رہوں جن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دھمکیاں ارشاد فرمائی ہیں۔

الغرض آپ اپنی معلومات سے محض مغلوب ومقہور رہتے تھے جو کچھ سنا تھا وہ آپ کو مجبور کر کے اس پر عمل پیرا بناتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ علم کی حکومت فرمائیاں اس طرح اور کسی پر شاید ہوئی ہوں گی، امیر کرم اللہ وجہہ نے سچ فرمایا۔ بلاشبہ یہی بھید تھا جس نے آپ کو مجذوب اور بہلول بنا دیا تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام مباحث پر جو اس وقت تک پیش ہو چکے ہیں، غور کرنے کے بعد حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول "عجز فیہ" کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے اور میرا یہ دعویٰ کہ حضرت کرم اللہ وجہہ نے بھی آپ کی مجذوبیت کی شہادت دی ہے اس سے مراد یہی تھی۔

اخیر میں ہم ان چند خصوصیتوں کو بھی درج کرتے ہیں جو طائفۂ مجاذیب کے ساتھ مخصوص ہے اور شیوۂ جذب ومستی کے ساز وسامان میں شمار کیا جاتا ہے۔

ظرافت:

اس وقت تک ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جتنے حالات تم پڑھ چکے ہو، اس سے گمان ہوتا ہے کہ آپ کے مزاج میں خوش طبعی اور ظرافت کا مادہ موجود نہ تھا حالانکہ مجذوبوں کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ گو بظاہر وہ ہمیشہ ترش رو، چیں بہ جبیں نظر آتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ دنیا نے انھی مجذوبوں کے ان قہقہوں کو بھی ہمیشہ سنا ہے جس کا سلسلہ اگر شروع ہوا تو پھر کبھی نہیں رُکا، اور ان کی سادگی میں اور کجی میں سادگی کی سموتے ہوئے تو کسی نے نہیں دیکھا، غصہ میں مسکراہٹ اور مسکراہٹ میں غصہ اس طبقہ کا خصوصی شیوہ ہے۔

بہرحال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی کبھی یہ حالت طاری ہو جاتی تھی۔

ایک دن آپ کسی مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے فرمانے لگے:

"کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص پیش ہوگا، فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ پہلے اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو پیش کرو۔ فرشتے اس کے آگے اس کے چھوٹے گناہوں کی فہرست اس طرح پیش کریں گے کہ تم نے فلاں دن یہ کہا، فلاں دن یہ کہا، وہ بیچارہ اس کا اقرار کرتا جائے گا اور دل میں ڈرے گا کہ دیکھئے جب کبائر کی فہرست پیش کی جائے گی تو کیا ہوگا، فرشتے جب صغائر پوچھ کر فارغ ہو جائیں گے تو آواز آئے گی کہ ہر ہر گناہ کے بدلے ایک ایک نیکی دیتے چلے جاؤ۔ اس رحیمانہ فرمان کے سنتے ہی وہ شخص غل مچانے لگے گا، شور کرے گا کہ فرشتو ٹھہرو، ابھی ہمارے پاس اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں، ان کو بھی گن لو۔ میں اس فہرست میں انھیں نہیں دیکھتا۔"

(یعنی ان کے عوض میں بھی مجھے نیکیاں ملنی چاہئیں)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لفظ پر آ کر ٹھہر جاتے اور فرماتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب اس حدیث کو بیان کرتے تو اس قدر ہنسا کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھیں کِھل جاتیں (۱)۔ اس کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس قدر ہنسا کرتے اس کا اندازہ تم خود ہی لگا سکتے ہو۔ خصوصاً جب ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حدیث بیان کرتے وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عام عادت یہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو بھی کر کے دکھاتے، جو حدیث بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے۔

بدبخت عبداللہ بن زیاد، جسے مسلمان ابن زیاد کے نام سے جانتے ہیں جب کوفہ کا امیر ہوا تو اپنے پیش رو گورنروں کے خلاف جماعت کی نماز میں تاخیر کرنے لگا۔ حضرت ابوذر

(۱) صحاح، خصوصاً ترمذی دیکھئے، اور مسند احمد

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے عبداللہ بن صامت نے دریافت کیا کہ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے۔ کیا ہم لوگ بھی اپنی نمازوں کو مکروہ اوقات تک مؤخر کریں؟ عبداللہ بن صامت فرماتے ہیں، یہ سنتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمانے لگے:

سُنو! میں نے اپنے خلیل (دوست) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تھا کہ ایسی صورت میں کیا کروں گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

"صل الصلوٰة لوقتها فإن أدركت فصل معهم ولا تقل إني صليت فلن أصلي معهم."

''تم اپنی نماز وقت پر ادا کرلیا کرو۔ اب اگر ان رہبروں کیساتھ بھی نماز کا موقع آجائے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرو اور یہ نہ کہو کہ میں تو نماز پڑھ چکا ہوں، ان کے ساتھ نہ پڑھوں گا۔''

ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باب کعبہ کی زنجیر پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں:

''جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے اور جو نہیں جانتے ان کو جاننا چاہئے کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہوں، پھر فرمایا کہ جس طرح میں کعبہ کی زنجیر پکڑے ہوئے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کی زنجیر پکڑے ہوئے یہ فرما رہے تھے۔'' (۱)

دوسری ظرافت:

نعیم بن قعنب الریاحی کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا گھر پر ڈھونڈا تو معلوم ہوا کہ آپ یہاں تشریف نہیں رکھتے ہیں۔ آپ کی بیوی صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں، انھوں نے فرمایا:

(۱) بیہقی

''سامنے ان کی زمینیں ہیں وہیں ہوں گے۔''

جب میں ادھر چلا تو دیکھتا ہوں کہ آپ کے آگے آگے دو اونٹ ہیں جن کے گلے میں مشکیں پڑی ہوئی ہیں۔ آپؓ انھیں پیچھے سے ہنکاتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ میں آگے بڑھ کر آپ سے ملا، اور ساتھ ساتھ مکان پر آیا۔ آپ نے مشکیں اتاریں، اس کے بعد مجھ سے دریافت کیا، کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا، آپ سے ملنے کی مجھے تمنا بھی تھی اور آپ کی ملاقات سے مجھے نفرت بھی تھی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، یہ دونوں باتیں کیوں کر جمع ہوسکتی ہیں۔

نعیم نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کیا ہے، اب مجھے اس کی فکر ہے کہ میرا گناہ معاف ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اگر ہوسکتا ہے تو اس کی کیا صورت ہے اس کا کفارہ بھی ہے یا نہیں؟

پس جب دل میں یہ خیال آتا تھا، کہ آپ ہی میرے لئے کوئی راستہ پیدا کریں گے، اس وقت ولولہ ہوتا تھا کہ آپ سے مل ہی لوں۔ پھر خطرہ ہوتا تھا کہ، کہیں آپ نے مجھے مایوس العلاج قرار دیا تو یہ عمر بھر کا غم میرے ساتھ لگ جائے گا اور اس کے بعد مجھے آپ سے نفرت پیدا ہوجاتی تھی۔ (۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد فرمایا یہ حرکت تم نے کفر کے زمانہ میں کی ہے یا اسلام میں؟

نعیم نے کہا کہ ایام کفر میں، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، تو پھر کیا پرواہ ہے (یعنی اسلام خود ہی تمام گناہوں کا کفارہ اور کفر کے زمانہ کے ہر وقت کے گناہوں کو ڈھانے والا ہے)۔

نعیم سے یہ فرمانے کے بعد آپ اپنی بیوی کی طرف مخاطب ہوئے اور کچھ سر سے اشارہ کیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ مہمان کے لئے کچھ کھانا لاؤ! بیوی صاحبہ یہ سنتے ہی برس پڑیں، یعنی ایک تو کماتے کجاتے نہیں، اور اس پر مہمان نوازی کا شوق؟

آپ نے پھر بھی نہایت نرمی سے کہا کہ بیچارے کے لئے کچھ لاؤ! لیکن وہ تھیں کہ

اس قسم کی متضاد کیفیتیں مجذوبوں کی جانب سے عام طور پر دلوں میں پیدا ہوتی ہیں، دعا و بددعاء کی امید وخوف میں ہر شخص ان کی جانب سے یہی دونوں خیال رکھتا ہے۔

بگڑ رہی تھیں، حتی کہ آپ نے تیسری بار کچھ زور دے کر فرمایا کہ لاتی ہو یا نہیں؟ لیکن وہ کب سننے والی تھیں۔ اس طرح الجھ پڑیں اور الجھتی رہیں کہ آخر میں آپ نے گویا ہنس کر فرمایا کہ:

''ارے کس قدر بولو گی! تم کہیں اس سے بھی آگے نکل سکتی ہو، جو
حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی شان میں ارشاد فرما چکے ہیں۔''

نعیم تو وہیں کھڑے تھے، بولے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟....... آپ نے فرمایا کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''عورتیں ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں، اگر انھیں سیدھی کرنا
چاہو گے تو یہ ٹوٹ جائیں گی۔ اور اگر یونہی چھوڑ دو گے تو کجی باقی رہے گی،
لیکن کچھ کام بھی چلتا رہے گا۔''(۱)

یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئیں اور خشک ثرید کے کچھ ٹکڑے لے آئیں آپ نے نعیم کو کہا کہ ''بس تو شروع کیجئے اور اس کا خوف نہ کیجئے کہ میں کیوں شریک نہیں ہوا، کیونکہ میں روزہ دار ہوں۔''

یہ کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی۔ نعیم کہتے ہیں کہ میں کھا رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ وہ نماز میں کسی چیز کا انتظار فرما رہے ہیں۔ حتی کہ جب انھوں نے اندازہ کر لیا کہ اب مجھے سیری ہوگئی ہوگی، فوراً اسلام پھیر کر بیٹھ گئے، ہاتھ بڑھا کر کھانا شروع کیا۔ مجھے ان کی اس حرکت پر حیرت ہوئی اور بے ساختہ زبان پر اناللہ وانا الیہ راجعون جاری ہو گیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مجھے اس حال میں دیکھا تو ہنسنے لگے اور فرمایا: ''کہ تم کو کیا ہوا۔'' میں نے کہا کہ ''میں کسی کو جھوٹ بولنے والا خیال کرتا تو کم از کم تم کو ان لوگوں سے میں مستثنیٰ سمجھتا تھا۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''تیرے ماں باپ خدا پر قربان ہوں'' جب سے تم آئے اور اس وقت تک تمہارے سامنے میں نے جھوٹ بولا؟

---

(۱) مسند احمد

میں نے کہا خوب، ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ میں روزہ دار ہوں، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ''ہاں''! بعد اس کھانے کے بھی روزہ دار ہوں اور رہوں گا۔ کیوں کہ اس مہینہ کے تین دنوں ۱۳، ۱۴، ۱۵ میں روزے رکھ چکا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ان تین دنوں میں روزہ رکھا۔ (یعنی روزے کے بدلہ میں دس روزہ کا ثواب ملا اور اسی طرح تین روزوں کے عوض میں تیس روزوں کا ثواب حاصل ہوگا) پس آج میرا روزہ بھی ہے اور اس کا اجر بھی ہے اور تمہارے ساتھ کھا بھی رہا ہوں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شروع شروع مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کی آب وہوا کچھ ان کے لئے سازگار نہ ہوئی، بیمار پڑ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض علاج اور تبدیلی آب وہوا ان کو حکم دیا کہ بیت المال کی مویشیاں (اونٹ بکریاں) جہاں چرتی ہیں، وہیں جا کر چندے قیام کرو۔ یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ صرف اونٹنیوں اور بکریوں کے دودھ پر رہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ علاجاً ان جانوروں کے پیشاب کے استعمال کی بھی اجازت ہوئی تھی۔ محدثین کا خیال ہے کہ یہ استسقاء کا علاج ہے...... حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی صحرائی علاقہ کی طرف روانہ ہوئے چونکہ بیمار تھے، اس لئے بیوی کو بھی ساتھ لیا۔ یہ ایسا علاقہ تھا جہاں پانی کا نام نہ تھا۔ مجبوراً حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دودھ ہی پر گزر کرنا پڑا..... اچھی آب وہوا، پرہیز سخت، نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد آپ کی حالت بدل گئی۔ یہ شباب کا زمانہ تھا، بیوی ساتھ تھیں، یہ سوچے بغیر کہ آخر اس وادی میں پانی ملے گا یا نہیں غسل کی کیا صورت ہوگی، اپنے اوپر غسل واجب کر لیا۔ اب ہوش آیا تو پانی کا میلوں پتہ نہیں۔ غسل کے بدلہ میں بھی تیمّم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وقت اس کا بھی علم نہ تھا۔ نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوا، کچھ سمجھ میں نہ آیا، بجز اس کے کہ ان اونٹوں میں ایک تیز رفتار اونٹ کی پیٹھ پر لدے، اور جتنی تیزی سے بھاگ سکتے تھے، افتاں خیزاں مدینہ پہنچے، خود فرماتے ہیں، ٹھیک نصف النہار کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے سایہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ میں نے آگے

بڑھ کر سلام عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسم نے سر مبارک اوپر کی طرف اٹھایا، مجھے دیکھ کر بے ساختہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔

"سبحان اللّٰه أبو ذر."

''خدا کی شان ابوذر!''

میں نے وہیں کہا کہ ہاں یا رسول اللہ! ابوذر ہی ہے، پھر سارا قصہ بیان کیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ کہاں تو بیماری اور ایسی سخت بیماری کہ بعض روایتوں کے اعتبار سے آپ کو اونٹ کے پیشاب تک کے پینے کی نوبت آئی، لیکن ادھر طبیعت چاق ہوئی۔ ادھر غسل واجب کر لیا۔ اس کے اس جدّتی طرزِ عمل کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی۔ ایک لونڈی برتن میں پانی لے کر باہر آئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی وقت اسی اونٹ کے اوٹ میں کھڑے ہو کر اس جنابت سے میں نے نجات حاصل کی اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوذر! پاک مٹی سے وضو کا کام اس وقت تک لیا جا سکتا ہے، جب تک کہ پانی میسر نہ آئے، خواہ پانی دس سال تک ہی کیوں نہ ملے۔

ظرافت ہی کے سلسلہ میں غالبًا آپ کی ان عادتوں کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے کہ جب آپ سے کوئی پوچھتا کہ کیا آپ ہی ابوذر ہیں؟ تو فرماتے کہ ''ہاں؟ میری بیوی کا یہی خیال ہے۔'' آپ کی صاحبزادی کبھی آپ کے ساتھ ہوتیں.....، لوگ پوچھتے کہ کیا یہ آپ کی صاحب زادی ہیں؟ اس وقت بھی یہی فرماتے کہ ''ہاں! اس کی ماں یہی کہتی ہے۔'' (۱)

ایامِ بیض کے روزوں کو مہینہ بھر کا روزہ قرار دینا:

اس قاعدے سے ایک دفعہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی نفع اٹھایا ہے، بیہقی میں ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ عبداللہ بن شقیق عقیلی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے آئے۔ ابھی باہر ہی تھے کہ عبداللہ نے آپ کے چہرہ کی حالت دیکھ کر

(۱) یہ ساری روایتیں مسند احمد میں ہیں

کہا کہ کیا آپ روزے سے ہیں؟ بولے، ہاں! اتنے میں اندر طلبی ہوئی، دیکھتے ہیں کہ ایک بڑے پیالے میں کھانے کی کچھ چیز رکھی ہوئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھانے کا اشارہ کیا عبداللہ کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پیالہ میں شریک ہو گئے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے انگلیوں سے اشارہ کیا اور یاد دلایا کہ آپ روزے سے ہیں۔ جواب میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، مجھے اپنا روزہ یاد ہے، بھولا نہیں ہوں، میں نے تم سے کہا تھا، یہی نا کہ میں روزدار ہوں، میں ہر مہینہ کی تین تاریخوں میں چونکہ روزے رکھتا ہوں، اس لئے صائم ہی رہتا ہوں۔ (۱)

اس قسم کی اور بھی ظرافتیں آپ سے منقول ہیں مدعا کے ثبوت کے لئے اتنی بھی کافی ہیں۔

لوگوں پر مجذوبانہ انداز کے ساتھ بگڑنا:

اس طائفہ کے ساتھ اور باتیں بھی مخصوص ہیں۔ مثلاً جو آدمی ان کے پاس جائے گا، اس پر پہلے بگڑیں گے، اسے جھڑکیں گے، اگر زیادہ مغلوب الحال ہو جائیں تو سنا ہے کہ گالیاں بھی دیتے ہیں۔

بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذب چوں کہ جذب کامل تھا اس لئے ہذیان و خرافات تو آپ کی زبان مبارک سے نہیں نکلتے تھے، لیکن بگڑنے، جھڑکنے کی عادت آپ میں کم و بیش پائی جاتی تھی۔

عوام تو عوام بڑے جلیل القدر صحابی آپ سے ملنے آتے، ان پر بگڑتے، ان سے بھاگتے، اپنے سامنے سے اٹھا دینے کی کوشش کرتے، لیکن چونکہ اس طائفہ کی ان تمام باتوں کو لوگ ان کی مغلوب الحالی پر محمول کرتے ہیں اور آج تک یہ طریقہ دنیا میں مروّج ہے، اس لئے کسی کو آپ کی باتیں بری نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ آپ جس قدر بیزاری ظاہر کرتے، صحابی اسی قدر آپ سے لپٹتے آپ انھیں نکالتے۔ لیکن قدر شناسانِ حقیقتِ ابوذری اور بھی..... آپ سے قریب ہوتے۔

(۱) سنن بیہقی

ایک دن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن (جہاں آپ صوبہ دار اور ناظم تھے) سے واپس آئے تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ملنے کے لئے تشریف لائے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے تھے، ابوموسیٰ اشعری پیچھے سے آ کر آپ کی کمر میں لپٹ گئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو دیکھتے ہی بگڑ گئے..... وہ کمر سے لپٹے ہوئے ہیں اور کہتے جاتے ہیں:

"مرحبا يا أخي."

''میرے بھائی مرحبا۔''

مگر آپ کی یہ کیفیت ہے کہ

"إليك عني إليك عني."

''ہم سے دور رہو، ہم سے دور رہو۔''

فرما رہے ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری ایک پتلے دبلے آدمی تھے اور آپ بھاری بھر کم بدن کے تھے، وہ چمٹے ہوئے ہیں اور حضرت ابوذر جھٹکے دے دے کر چاہتے ہیں کہ کسی طرح ان سے چھوٹ جاؤں۔ دیر تک کشاکش ہوتی رہی۔

''دور رہو، دور رہو، ہم تم سے ملنا نہیں چاہتے۔!''

آپ کی زبان پر جاری ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ''دور کیوں رہوں گا تم میرے بھائی ہو۔''

آپ اس کا جواب دیتے کہ ''نہیں۔ اب تم میرے بھائی نہیں رہے، تم سے برادری اسی وقت تک تھی، جب تک کہ تم کسی صوبے کے عامل اور ناظم مقرر نہیں ہوئے تھے۔''

الغرض دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا، اور خدا جانے آخر میں ان دونوں نے کیا فیصلہ کیا۔ انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر میں پھر راضی ہوگئے۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ بگڑنے

اور خفا ہونے کے بعد پھر نرم بھی پڑ جاتے۔ کیوں کہ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو (بحرین کے ناظم اور صوبہ دار تھے) جب وہاں سے آئے تو آپ سے ملنے گئے اور اسی طرح کمر میں لپٹ گئے۔ حسب دستور ان کو بھی آپ نے:

"إليك عني."

''مجھ سے الگ رہو دور رہو۔''

کہنا شروع کیا

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"مرحبا يا أخي."

''مرحبا یا بھائی۔''

فرماتے جاتے تھے اور آپ ان کی انگلیاں پکڑ کر چاہتے تھے کہ نکل بھاگوں، مگر وہ بھی زبردست تھے، کب چھوڑتے۔ آخر تھک کر آپ نے پوچھا کہ، تم ان لوگوں (یعنی خلفائے وقت) کی طرف سے کسی صوبہ کے عامل مقرر ہوئے یا نہیں؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میں نے صوبہ داری قبول کر لی۔

آپ نے پوچھا، تو صوبہ داری کے زمانہ میں کوئی اونچی کوٹھی بھی تم نے بنوائی، کوئی بڑی زمینداری بھی تم نے حاصل کی، اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ کے تم مالک بھی ہوئے۔

حضرت ابوہریرہ نے کہا نہیں، میں نے ان چیزوں میں سے کوئی چیز حاصل نہیں کی۔ یہ سن کر خوش ہوگئے۔ اور پھر خود گلے لگا کر فرمانے لگے ہاں تو تم میرے بھائی ہو، تم میرے بھائی ہو۔

الغرض عموماً اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر ناز کرتے، اور صحابہ بھی آپ کی ناز برداریوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے، آپ ہر شخص کو ڈانٹ دیتے تھے۔ ذرا سی بھی غلطی ہوتی تو ٹوک دیتے نہ کسی سے ڈرتے تھے اور نہ کسی سے دبتے تھے۔ سب کو اپنا ہم عصر، ہم جماعت سمجھتے تھے۔ بہر حال، اس سلسلے میں بھی واقعات بہت ہیں۔ لیکن بایں ہمہ

ڈانٹ ڈپٹ، غیظ وغضب۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا شمار جلیل القدر صحابیوں میں ہے ایک دفعہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے سامنے سے گزر رہے تھے اور وہ اپنے ایک مکان کی تعمیر کرا رہے تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''تم نے بھی پتھر کی چٹانیں لوگوں کے کندھوں پر لدوائیں۔'' حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: ''کہ بھائی میں تو ایک مکان بنوا رہا ہوں۔'' مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقرۂ بالا ہی کو دہراتے رہے۔ آخر میں حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''شاید آپ کو میرا مکان بنوا نا گوارا ہوا۔'' حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے: ''ابودرداء کاش! میں تمہارے سامنے سے گزرتا، اور تم کو اپنے گھر کی غلاظتوں (گھورے) پر پاتا، یہ اس سے زیادہ پسندیدہ تھا جس حال میں تم کو اس وقت پا رہا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دن ملاقات ہوئی ان کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی جس کے قبضہ پر چاندی چڑھی ہوئی تھی، یہ دیکھ کر بولے: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، جس نے پیلے یا سفید (دینار ودرہم) کو چھیڑا ان ہی سے قیامت میں داغا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطلب سمجھ گئے، اسی وقت تلوار ہاتھ سے پھینک دی۔ (۱)

تم نے دیکھا کہ بجائے جھگڑے کے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار ہی پھینک دی، اور جانتے ہو کہ ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن پر آپ اس قدر بگڑے ان کا کیا حال تھا۔ استیعاب میں ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی کہ ابوذر ربذہ چلے گئے تو فرماتے تھے اگر ابوذرؓ میرے جسم کی بوٹی بھی اڑا دیتے تو میں ان کو ملامت نہیں کرسکتا تھا۔ اسی ڈانٹ ڈپٹ کے سلسلہ میں آئندہ اس واقعہ کا بھی ذکر آئے گا، کہ کعب احبار جو یہودی سے مسلمان ہوئے۔ تابعین میں شمار تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں برسر دربار ایک خاص مسئلہ میں جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو سخت سست بھی سنایا اور ڈنڈا بھی رسید کیا، کہتے ہیں کہ بے چارے کا سر کھل گیا تھا۔

(۱) بیہقی ص:۱۲۴

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب:

البتہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کے تقویٰ وزہد، علم ومعرفت کے آگے اگر جھکتے تھے، تو وہ صرف ایک وحید ذات حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر آتی ہے۔

بلکہ جب میں ان عظمتوں اور توقیروں کے واقعات پڑھتا ہوں جو آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا کرتے تھے، تو پھر آپ کی مجذوبیت تک میں مجھے کچھ شبہ سا ہوجاتا ہے۔ لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شاید جذب کی شانوں میں ایک شان ان کی یہ بھی تھی، کہنے والوں نے جو یہ کہا ہے کہ یہ وہ گروہ جو اللہ والوں کا ہے، جو کبھی تو طارم اعلیٰ کی خبر لاتا ہے اور کبھی اپنے پشت پا کی بھی اسے خبر نہیں ہوتی۔

مسند احمد میں ایک یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے سے ایک شخص گزرا جس کا نام غضیف بن حارث تھا اگرچہ وہ صحابی نہ تھے، لیکن رشد وصلاح کے زیور سے آراستہ اور سینے میں پاک دل رکھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

"نعم العبد غضیف." (۱)

''غضیف کیا اچھا بندہ ہے۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہی کھڑے تھے، جب غضیف آگے روانہ ہوئے تو آپ بھی ان کے پیچھے ہولئے اور سامنے آکر نہایت لجاجت اور غایت عاجزی سے فرمانے لگے:

''بھائی میرے لئے دعا کرو، خداوند تعالیٰ کے دربار میں میری

(۱) ان کا پورا نام غضیف بن الحارث بن زنیم السکونی ہے، بنی کندہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، تاہم جلیل القدر اصحاب النبی ﷺ کی صحبت میں مدتوں رہے ہیں۔ حضرت بلالؓ، حضرت فاروقؓ، ابوعبیدہ بن الجراحؓ، ابودرداءؓ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ آخر زمانہ میں حمص میں توطن اختیار کیا اور وہیں وفات ہوئی (تہذیب التہذیب ج/۸، ص/۲۲۹۔)

بخشائش کی سفارش کرو، کہ وہ میرے گناہ معارف فرمادے''۔

غضیف، ابوذر کو اس حال میں دیکھ کر گھبرا گئے اور متعجبانہ لہجہ میں فرمانے لگے:

''حضور! یہ آپ کیا فرمارہے ہیں آپ صحابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ احق ہیں کہ میرے لئے استغفار کریں، نہ کہ میں۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد جو کچھ فرمایا وہ ان تمام اندرونی جذبات کو بے نقاب کردیتا ہے، جو آپ کے دل میں حضرت عمرؓ کی جانب سے موجزن تھے، آپ نے کہا:

''کہ میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے.....

ابھی سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

نعم العبد الغضیف (غضیف بہت اچھا بندہ ہے) اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچائی اور راستی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پر چسپاں کردی گئی ہے۔''

مقصد یہ تھا کہ جب تم کو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اچھا کہا ہے تو یقیناً تم اچھے ہو اور اچھوں کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔

یہاں یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ عموماً امامیہ طبقے کے لوگ بھی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اصحاب طیبین وطاہرین میں شمار کرتے ہیں، لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس ذات کو طیب خیال فرماتے تھے اور جس کی تصدیق کو گویا آسمانی تصدیق وہ سمجھتے تھے کس قدر عجیب ہے کہ ان کی اونچی شان پر وہ منہ آتے اور اُن کی پاک نیت پر حملہ کرتے ہیں۔ غضیف سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس چیز کی درخواست کی، تم خود انصاف کرو کہ کیا تقیّہ کی کسی شق کے نیچے وہ داخل ہوسکتا ہے؟ ان کو کس نے مجبور کیا کہ خواہ مخواہ غضیف سے دعا کے لئے الحاح وزاری کریں۔ فما لھؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا۔

سفر دمشق والشام:

مدینہ منورہ کے قریب ایک نامی پہاڑ سلع (۱) ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی کہ:

"إذا بلغ البنيان سلعًا فارتحل إلى الشام."

''جب مدینہ کی آبادی جبل سلع تک پہنچ جائے تو شام کی طرف کوچ کرجانا۔''

یہ فرمان کیوں دیا گیا تھا، اس کی صحیح علت مجھے معلوم نہیں، مراتب سلوک میں سلع کی آبادی سے کیا نقصان پہنچتا تھا (۲) مرشد و مرید کے علاوہ اسے کون جان سکتا ہے۔ تاہم قرینہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مدینہ کی آبادی اس قدر معمور ہوجائے گی تو اس وقت اس کا تمدن بہت بڑھ جائے گا۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز بتانا چاہتے تھے، چونکہ اس کے لئے اتنی مدنیت مضر ہوتی۔ اس لئے آپ نے شام کی روانگی کا حکم دیا تھا، واللہ اعلم۔

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فتوحات کے بعد جب مختلف مقبوضات میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کے ''مکتبہ'' یعنی فوجی چھاؤنی میں اپنا نام لکھوایا اور وہیں تشریف لے گئے۔ کب گئے! گو حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہی کے بعد یہ قصہ پیش آیا۔ لیکن قرائن کا اقتضا

---

(۱) یہ پہاڑ اس نام سے مدینہ منورہ کے سامنے اب تک موجود ہے، یہی وہ کوہِ مبارک ہے جس کا ذکر حضرت یسعاہ نبی کی کتاب میں ان لفظوں میں آیا ہے، سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے، پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں گے، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے، کون نہیں جانتا کہ "طلع البدر علینا" کا گیت سلع کے باشندوں نے گایا اور کس کے لئے گایا۔

(۲) البتہ کامل ابن اثیر وغیرہ مؤرخین کا بیان اگر صحیح ہے کہ دمشق سے حضرت عثمانؓ کی طلبی پر جب حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مدینہ کا وہی چھوٹا سا قصبہ عہد عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان دنوں میں ترقی کرتے ہوئے اس نقطہ تک پہنچ گیا تھا (بقیہ صفحہ ۱۲۸ پر)

ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب عسکری تنظیم مقبوضات کی حفاظت کے لئے کی گئی اس وقت شام کی چھاؤنی سے آپ نے اپنا تعلق اختیار فرمایا۔ انسابُ الاشراف بلاذری میں بھی لکھا ہے کہ "كان مكتبه بالشام إلا إنه كان يقدم حاجًا وقال عثمان الإذن له في ذلك" (یعنی ان کی اصل چھاؤنی تو شام میں تھی، لیکن اجازت لے کر حج کے لئے حجاز بھی آتے اور حضرت عثمانؓ سے کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے جوار میں کچھ دن رہنے دو، وہ ان کو اجازت عطا کرتے) گویا یوں مکہ اور مدینہ میں ان کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ لیکن اصل قیام گاہ ان کی شام ہی کے شہر دمشق میں تھی۔ (۱)

بہر حال اتنا قطعی ہے کہ خلافتِ عثمانی میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق میں تھے، وہاں کمبلوں کا ایک معمولی سا جھونپڑا ڈال لیا تھا، جس میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ (۲)

مسئلۂ کنز:

جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص شیوہ تھا۔ سچائی کے اعلان میں دنیا کی کوئی قوت آپ کو روک نہیں

(بقیہ ۱۲۷ کا) کہ رای المجالس فی اصل جبل سلع (یعنی کوہ سلع کے دامن میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ نشست گاہیں بنی ہوئی ہیں) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کتنا عظیم الشان شہر ہوگیا تھا۔ بنتے ہوئے گویا مکانات سلع کے دامن تک پہنچ گئے تھے۔ بہر حال اس حال کو دیکھ کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک حال طاری ہوگیا، اور بے اختیار زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے "بشر اهل المدينة بغارة شعوبا وحرب تذكار" (بشارت سنا دو مدینہ والوں کو ایک تباہ کن لوٹ مار کی اور یاد رہ جانے والی جنگ کی، (ج/۱۴، ص/۴۴) اگر یہ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ یزید کے زمانہ میں واقعۂ حرّہ کے وقت جس بے دردی کے ساتھ لوٹا گیا کہ مسجد نبوی میں اذان دینے والا کوئی نہ تھا۔ صحابہ اور صحابہ کی اولاد کا قتل عام کئی دن تک ہوتا رہا، یہ اس کی طرف اشارہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وقت اس ہائلہ فتنہ سے مطلع فرما دیا تھا۔

(۱) دیکھو البلاذری ص:۵۶/ ج:۵

(۲) طبقات ابن سعد ج/۴

سکتی تھی۔ حتی کہ خود علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے، جیسا کہ گزر بھی چکا، یعنی:

"اللہ کی باتوں میں ملامت کرنے والوں کے طعنوں سے نہ ڈرنے والا صرف ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہ گیا ہے۔"

الغرض مشکوٰۃ نبوت سے جو روشنی آپ کو عطا کی گئی تھی، اس روشنی کے عام کرنے میں آپ کبھی دریغ نہیں فرماتے تھے، جب موقع ملتا۔ اسی فکر و عمل میں مصروف رہتے۔ حتی کہ تم آغاز کتاب میں پڑھ آئے ہو کہ اعلان توحید میں آپ پر کیا کیا مصائب نازل ہوئے، لیکن آپ کو اس کی کوئی پروانہ ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ جب آپ شام تشریف لائے، تو یہاں بھی آپ نے وعظ و درس کا باب کھول دیا۔ اشاعت سنت میں منہمک ہوگئے، اس زمانہ کے مواعظ کے بعض بلیغ فقرے تاریخوں میں محفوظ بھی ہوگئے۔ مثلاً البلاذری نے نقل کیا ہے:

شام میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے:

"خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ سچائی بجھ رہی ہے، جھوٹ زندہ کیا جا رہا ہے، سچے جھٹلائے جا رہے ہیں، بغیر تقویٰ کے لوگ خود غرضیاں اختیار کر رہے ہیں۔" (۱)

بہر حال اسی ضمن میں آپ نے مسئلۂ کنز کی بھی تبلیغ شروع کی، جو لوگ کنز کے مرتکب تھے، ان کو دھمکاتے ڈراتے، فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جو لوگ چاندی اور سونے پر گرہیں لگاتے ہیں وہ شعلے بن کر ان سے لپٹیں گے، جب تک کہ اسے خدا کی راہ میں صرف نہ کریں۔"

کبھی بیان کرتے ہیں کہ کانزین (سونے اور چاندی جمع کرنے والوں) کو مژدہ سنا دو! کہ جہنم کی آگ میں تپائی ہوئی تختیاں ان کی ایک پستان پر رکھی جائیں گی، حتی کہ سینہ کو توڑ کر مونڈھے کی ہڈیوں سے نکل جائیں گی، اسی طرح پھر مونڈھے کی ہڈیوں پر دھری رہ

(۱) البلاذری ص:۵۶/ ج:۵

جائیں گی، حتی کہ وہ دوسرے پستان کی طرف توڑ کر باہر نکل جائے گی۔(۱)

کبھی ارشاد فرماتے: ''مالدارو! غریبوں کی مدد کرو'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ، يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ."

''جو لوگ سونا چاندی کو سینت سینت کر رکھتے یہں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک دکھ کا مژدہ سنا دو۔ اس دن وہی چاندی سونا آگ میں گرم کئے جائیں گے پھر ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھ اس سے داغے جائیں گے اور کہا جائے گا یہ وہی ہے جسے اپنے فائدے کے لئے تم نے اکٹھا کر رکھا ہے، پس چکھو اس چیز کو جسے تم لوگ جمع کرتے تھے۔''

الغرض متواتر مسجدوں، بازاروں میں آپ کا یہی بیان ہوتا رہا۔ مؤرخین کا بیان ہے، اس واقعہ سے عام طور پر دمشق میں برہمی پھیل گئی۔ غرباء امراء کو تنگ کرنے لگے، ایک آفت برپا تھی۔ طبری میں ہے:

"حتی ولع الفقراء بمثل ذلك وأوجبوه على الأغنياء."

''غرباء اس قسم کی باتوں سے دلچسپی لینے لگے اور امیروں پر اس کو واجب کر دیا (کہ جو کچھ ان کے پاس ہو خرچ کر دیں۔)''

چوں کہ اس مسئلہ نے آئندہ چل کر ایک اہم صورت اختیار کی اس لئے ہم اس میں کچھ تفصیل سے کام لینا چاہتے ہیں، خصوصًا اس لئے بھی کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کسی نے آپ کے اصل مقصد تک پہنچنے کی صحیح کوشش غالبًا نہیں کی۔ لوگ سرسری طور پر ان کی باتوں کو سن کر گزرتے رہے، اور یوں عام طور سے اہل علم میں بھی ایک غلط بات مشہور ہوگئی ہے۔

(۱) تاریخ طبری ج/۵، ص/۱۱۔

آپ کے مذہب کی صحیح تنقیح:

مختلف لوگوں نے آپ کے خیال کی مختلف شرح کی ہے۔ ہم پہلے علماء کی آراء درج کرتے ہیں۔ اخیر میں جو کچھ میری رائے ہے، اسے بیان کروں گا۔ "والله يقول الحق وهو يهدي السبيل."

عام طور سے اکثر علماء کی یہی رائے کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کو جمع کرنا حرام سمجھتے تھے، حافظ ابوعمرو بن عبدالبرؒ کہتے ہیں:

"وردت آثار كثيرة من أبي ذر تدل علىٰ أنه كان يذهب إلى أن كل مال مجموع يفضل على القوت وسداد العيش فهو كنز يذم فاعله وأن اٰية الوعيد نزلت في ذٰلك."

''ابوذر سے بکثرت ایسی باتیں منقول ہوئی ہیں جو بتاتی ہیں کہ کھانے پینے اور سامان زندگی کے علاوہ ہر ایک قسم کے مال جمع کرنے کو کنز کہتے ہیں اور اس کے مرتکب کی مذمت فرماتے تھے اور قائل تھے کہ وعید کی آیت قرآن مجید میں ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔''

لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ آثار کن کتابوں میں مذکور ہیں۔ طبقات، مسندات، مصنفات، اس کے علاوہ عمومًا تاریخ وحدیث کی کتابیں ہمارے پاس ہیں، ان میں اس بڑے دعوے کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہوئی ہے کہ قاضی عیاضؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے آپ کے ''نظریۂ کنز'' کے مطلب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

قاضی عیاضؒ کا خیال ہے .... کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عام طور پر ہر شخص کے لئے اس حکم کو نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کی کل دھمکیاں ان بادشاہوں کے ساتھ مخصوص تھیں جو رعایا سے روپے وصول کر کے محض اپنے عیش وآرام، جاہ وجلال میں صرف کرتے ہیں، اور جن لوگوں کے واقعی حقوق ہیں، ان کو محروم رکھتے ہیں۔

علامہ نوویؒ کو اس توجیہ پر غصہ آ گیا ہے اور نہایت سختی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانہ میں لوگوں کو دھمکاتے پھرتے تھے۔ پھر اس قسم کے ظالم وعیش پسند بادشاہ اس زمانہ میں کب موجود تھے کہ وہ خلفائے صدیقین وامرائے عادلین مثل ابوبکرؓ وعثمانؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عنہم کا عہد تھا۔

حافظ ابن حجرؒ کا خیال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دراصل یہ مطلب نہ تھا کہ خود اپنے مال کے جمع کرنے میں بھی انسان داغا جائے گا، بلکہ آپ کا یہ فتویٰ ان لوگوں کی حدتک محدود تھا جو دوسروں کا مال جمع کرتے ہوں، اور جب اصلی مالک اس کا مطالبہ کرتا ہے تو ''ہاں، نہیں'' میں ٹال دیتے ہیں۔ اس لئے اپنے مال پر کسی کی تعذیب کیوں ہو۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کا فتویٰ تھا کہ اگر زکوٰۃ نکالنے کے بعد ہمارے پاس ایک پہاڑ کے برابر سونا ہوتو ہمیں پھر کوئی خوف نہیں۔(۱)

حافظ نے اس کے بعد ایک اور توجیہ بیان کی ہے، چونکہ وہ بجنسہٖ قاضی عیاضؒ کی تاویل کا ترجمہ ہے، اس لئے اسے قلم انداز کرتا ہوں۔

ناچیز کی رائے:

اگر امام نوویؒ کو قاضی عیاضؒ پر اور قاضی عیاضؒ کو اپنے گزشتہ مؤلفین ومصنفین پر نکتہ چینی کا حق ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ مجھے اگر اعتراض کا نہیں تو کم از کم اپنے خیالات کے اظہار سے کیوں روکا جائے گا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ میں جو کچھ آئندہ لکھوں گا اس میں غلطی کی گنجائش نہیں، دیوانہ ہے جو ایسا ہے۔ ''فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسانَ مِمَّ خُلِقَ'' کے بعد اس قسم کے تکبرانہ دعوے کا حق کس کو حاصل ہے؟ بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہدیٰ وروش طرز وطریقہ روایات واقوال سے جو کچھ سمجھتا ہوں اسے پیش کئے دیتا ہوں۔

میرا خیال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ خصوصیت کے ساتھ نقدی (سونا چاندی) جمع کرنے کی چیز نہیں، علاوہ ان نقدین کے آپ کسی اور چیز کے

(۱) فتح الباری شرح بخاری سے یہ تفصیلات نقل کئے گئے ہیں۔

جمع کرنے کو منع نہیں فرماتے تھے۔ میرے نزدیک حافظ عمر بن عبدالبرؒ کا کہنا کہ ''کل مال مجموع'' مال کا لفظ جو ہر ایک قسم کے مال پر صادق آتا ہے، قابل اصلاح ہے۔ بلکہ کہنا یہ چاہئے کہ ''کلّ ذهبٍ و فضةٍ'' یعنی ہر قسم کا سونا وچاندی۔

پھر نقدی کے بارے میں بھی آپ کا یہ خیال کبھی نہ تھا کہ حاجت سے اگر زیادہ ہو تو خدا کی راہ میں وہ لٹا دیا جائے، بلکہ خود آپ کے قول وعمل سے عنقریب معلوم ہوگا کہ آپ کی رائے یہ تھی کہ

اگر روپے، اشرفیاں حاجت سے زیادہ ہیں تو ان کو فوراً اکئی مفید چیز کی صورت میں بدل دو، تاکہ ایک مفید جائداد ہو جائے، یا روز مرّہ کی ضرورتوں میں کام آئے۔ مثلاً اس سے زمین خرید لی جائے۔ بکریاں مول لے لی جائیں، جن کے بچوں سے دودھ کا فائدہ حاصل ہو۔ گدھے، گدھیاں، اونٹ، وغیرہ لے لئے جائیں تاکہ بار برداری، سواری میں ان سے آرام ملے، یا پیسے بنالئے جائیں جو ضرورتوں میں کام آتے رہتے ہیں۔

اگر یہ چیزیں کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ ہیں تو پھر وہ اُخروی تجارت شروع کرے۔ یعنی بے کھٹکے ایک اُٹھنّی کی دس اٹھنّیاں قطعًا بناتا چلا جائے۔ البتہ جو لوگ نہ وہ کرتے ہیں اور نہ یہ کرتے ہیں، بلکہ خواہ مخواہ سونا چاندی جمع کرنے کا جن کو شوق ہے ان کے حق میں یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔

''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ.'' الآية

''اور جو لوگ جمع رکھتے ہیں، سونا اور چاندی اور اس کو نہیں خرچ کرتے اللہ کی راہ میں تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلیم) ان کو خوشخبری سنا دو دردناک عذاب کی۔''

حتی کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سونے کے زیور کو بھی پسند نہیں کرتے تھے، نہیں چاہتے تھے کہ سونا زیور کی صورت میں مقید ہو جائے کیوں کہ مسند میں ایک حدیث ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک اعرابی آیا جس میں حضرت

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے اور آ کر کہا:

"أكلتنا الضبع يا رسول الله يعني السنة."

''ہم لوگوں کو قحط کھا گیا یا رسول اللہ!''

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس وقت سے ڈر رہا ہوں، جب تم لوگوں پر دنیا خوب اچھی طرح بہائی جائے گی (یعنی وہ اس قحط سے زیادہ خطرناک اور ایامِ آزمائش ہوں گے) اور اس کے بعد نہایت حسرت سے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"فياليت أمتي لا يتحلون الذهب."

''کاش میری امت سونے کا زیور استعمال نہ کرتی۔''

اس روایت سے گو سونے کی حرمت مطلقاً نہیں ہوتی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا یہی تھی کہ میری امت (خواہ مرد ہو یا عورت، کہ لفظ عام ہے) سونے کو استعمال نہ کرتی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر جو جذب کی کیفیت موجود تھی اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس منشاءِ نبوت نے ان میں کس اثر کو پیدا کر دیا ہوگا۔ اگر میں یہ کہوں کہ انھوں نے امت پر سونے کو حرام کر دیا ہوگا تو کیا بعید ہے، خصوصًا حدیث کے جب وہی راوی ہیں، خلاف میں اس کے ان کا کوئی فتویٰ بھی نہیں پایا جاتا، تو یہ بات امکان سے بہت قریب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ بعض اربابِ فتاویٰ کی رائے بھی ہے بہر حال اگر وہ طلائی زیوروں کو حرام نہیں تو کم از کم ناپسند ضرور خیال فرماتے ہوں گے۔ اور اگر یہ بھی نہیں تو پھر اس پر زکوٰۃ ضرور فرض سمجھتے ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

مندرجہ بالا دعوے کے وجوہ:

میرے نزدیک آپ کی رائے کی صحیح تصویر یہی ہے، طبقات و مسند اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ کثرت سے ان دونوں میں ایسی چیزیں ملتی ہیں، جن سے ہمارا دعویٰ مدلّل ہو جاتا ہے۔ خود آپ کے ذاتی عمل اور قول سے اس کا پتہ چلتا ہے، جس سے بڑھ کر

اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے ہوتے ہوئے دوسروں کی باتیں ظاہر ہے کہ کیا وقعت رکھتی ہیں۔ مثلاً معلوم ہوتا ہے:

(۱) آپؓ اپنی تنخواہ سے سال بھر کی ضرورت کی چیز خرید لینے کے بعد باقی روپوں کے پیسے بھُنا لیتے تھے۔

(۲) جب شام سے آپ کے اہل و عیال واپس ہوئے (جس کی تفصیل آگے آتی ہے) تو ان کے پاس ایک کیسہ برآمد ہوا۔ لوگوں کو اس بات پر حیرت ہوئی۔ اس پر آپ کی بیوی نے فرمایا کہ قسم خدا کی اس میں اشرفی اور درہم نہیں ہیں بلکہ پیسے ہیں، جسے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضروریات کے لئے بھنا لیا کرتے تھے۔(۱)

حلیہ میں قریب قریب اسی قسم کی ایک حکایت اور ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی صاحبہ کو دیکھا ان پر ایک ادنیٰ برقعہ پڑا ہوا تھا، چہرہ جھلسا ہوا تھا، ان کے ہاتھ میں ایک قَفّہ (خشک کدو کے تونبہ کو کہتے ہیں) بھی تھا۔ صاحبزادی صاحبہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں اور فرمانے لگیں:

ابا جان! کاشت کاروں اور کسانوں کا خیال ہے کہ آپ کے پیسے جو اس (قفّہ) میں ہیں، یہ بھی ضرورت سے زائد ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا، بیٹی! اس کو اپنے پاس رکھو! الحمد للہ کہ تمہارے باپ نے کبھی کسی رات کو اس حال میں دن نہیں کیا ہے کہ وہ زرد و سفید (زر و سیم) کا مالک ہو، مگر تھوڑے سے پیسے یعنی اتفاقی ضرورتوں کے لئے اپنے پاس ان کو ضرور رکھتا ہوں۔

۳۔ آپ کے پاس گدھیاں بھی تھیں، گدھے بھی تھے، جو بار برداری وغیرہ میں کام آتے تھے۔(۱)

۴۔ آپ کے پاس اونٹ بھی تھے جن پر علاوہ سواری کے پانی لایا کرتے تھے۔(۳)

(۱) تاریخ طبری و طبقات (۲) طبقات

(۳) مسند احمد میں ہے إلى ضيعته ضيعته کے معنی مجمع البحار میں بھی النبائين و الزراعة۔

۵۔ آپ کی ملک میں زمین بھی تھی۔ خواہ بصورتِ کھیتی یا باغ۔

۶۔ خود آپ سے روایت ہے:

"قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ما من صاحب إبل ولا بقر ولا غنم لا يودي زكاتها إلا جاء ت يوم القيامة أعظم ما كانت واسمنه تنطحه بقرونها وتطوع باخفافها كلها نفدت اخرها عادت أولها حتى يقضي بين الناس." (۱)

''جو شخص اونٹ یا گائے بکری کا مالک ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا ہے قیامت کے دن اس کے پاس یہ جانور لائے جائیں گے، دنیا میں جس قدر تھے اس سے بڑے کر کے لائے جائیں گے اسی طرح دنیا میں جس قدر تھے اس سے موٹے کر کے قیامت کے دن لائے جائیں گے، اور پھر اپنے مالک کو سینگ ماریں گے۔ اور پاؤں سے روندیں گے، جب تک حساب وکتاب کا معائنہ ختم نہ ہو جائے۔ یہ اسی طرح کرتے رہیں گے، جب ایک قطار ختم ہو جائے گی دوسری لوٹے گی۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مویشیوں کی جب زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو پھر ان کے رکھنے میں مضائقہ نہیں اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اجازت دیں، اسی اجازت کے خود ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہوں اور پھر اس کی مخالفت کریں۔

الغرض حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت تھی کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد آدمی جس قدر اونٹ گائے وغیرہ رکھ سکتا ہو، رکھے، اس کے لئے کوئی وعید نہیں۔ مسند احمد میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اور روایت ہے جس سے میری اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ آپ صرف سونا اور چاندی کو اور سونا اور چاندی کی شکل میں جو چیز بھی ہو اس کو بلاوجہ گاڑنے یا جمع کرنے کے مخالف تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

(۱) مسند احمد

مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا:

"يا أبا ذر أعقل ما أقول لك، العناق يأتي رجلا من المسلمين خير له من أحد ذهب يتركه وراءه." (۱)

''اے ابوذر! سمجھو اس کو جو میں کہتا ہوں قطعاً ایک بکری جو کسی مسلمان کو حاصل ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ اُحد کے برابر اس کے پاس سونا ہو، پھر اپنے بعد اس کو چھوڑ جائے۔

الفاظ حدیث بجنسہٖ میں نے نقل کر دیئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا مفہوم وہی ہے جو میں نے ترجمہ میں ذکر کیا ہے۔ جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ بجائے ''سونے''۔ کے آدمی کے لئے بکری کا ایک بچہ زیادہ مفید ہے یعنی وہ ایک بڑھنے اور بڑھانے والی چیز ہے۔ خصوصاً عرب میں آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ اونٹ اور بکریاں ہی تھیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا ذکر کیا۔ ورنہ بظاہر ذکر اس کا ہی ہے کہ زر کو آمدنی پیدا کرنے والی نفع بخش چیزوں میں لگا دینا زیادہ مفید ہے بہ نسبت اس بات کے کہ زر کو زر ہی کی شکل میں مقید کر کے کہیں دفن کر دیا جائے۔ چوں کہ مسلمانوں کے معاش کا ذریعہ یا تو اس قسم کی جائز آمدنیاں ہیں یا وہ اموال ہیں جو بذریعہ جہاد حاصل ہوئے ہوں۔ شاید اس کی طرف اسی حدیث کے ان آخری الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"أعقل يا أبا ذر ما أقول إن الخيل في نواصيها البركة إلى يوم القيامة إن الخيل في نواصيها الخير."

''سمجھ اس کو اے ابوذر! جو میں کہتا ہوں کہ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک کے لئے برکت رکھی گئی ہے، گھوڑوں کی پیشانی میں برکت ہے۔''

ارباب حدیث جانتے ہیں کہ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ خیر

(۱) مسند احمد ص:۱۸۱

اور آمدنی کا بڑا ذریعہ گھوڑا ہے۔ یعنی مسلمان اس وقت تک فارغ البال ہیں جب تک وہ جہاد کرتے رہیں گے جس کی تعبیر گھوڑے سے کی گئی کہ عرب سپاہیوں کی سب سے اہم شے جنگ کے لئے گھوڑے ہی تھے اور اب تک ہیں۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسلمانوں کی معاشی ضرورتوں پر گفتگو فرما رہے ہیں۔ اُحد پہاڑ کے برابر مخزونہ ومدفونہ دولت کے مقابلہ میں ادنیٰ نفع بخش آمدنی پیدا کرنے والی چیز (عناق) کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترجیح دی۔ پس حافظ ابن عبدالبرؒ کا یہ کہنا کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کے لئے کنز عام رکھتے تھے، کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے؟

ان امور کو پیش نظر رکھنے کے بعد اگر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں تو کیا کسی غلط نتیجہ پر پہنچے ہیں؟ تم خود غور کرو، کہ یہ باتیں جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں اگر صحیح ہیں اور انشاء اللہ ہیں، تو پھر ہمارے دعویٰ کی صداقت میں کس کو کلام ہوسکتا ہے؟

اور جب ایسا ہے، تو پھر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جن غلط نویسوں نے آپ کی طرف یہ فتویٰ منسوب کیا ہے کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ

"صاحب المال کافر."

''مال والے کافر ہیں۔''

یہ ان کے تدبّر کا نتیجہ ہے۔ میں متحیّر ہوں کہ جب سیر کی جید وموثق کتابیں اس فتوے سے معرّیٰ ہیں، حدیثوں میں اس کا پتہ نہیں، بلکہ ان کتابوں میں جو کچھ بھی ملتا ہے وہ اس کے خلاف ہے تو پھر یہ کیا ظلم ہے کہ بغیر تحقیق کے ایسے نفوس بھی جن کو اپنی تاریخی وسعت نظریوں پر ناز ہے، اس بے سروپا اس فتوے کو نقل کرتے ہیں اور پھر اس کی تغلیط بھی نہیں کرتے، عفا اللّٰہ عنہم۔

ہاں اس قدر میں بھی مانتا ہوں کہ خاص ذہب (سونا) فِضّہ (چاندی) کے متعلق آپ کا یہ خیال ضرور تھا کہ یہ جمع کرنے کی چیزیں نہیں ہیں۔

مسلک ابوذرؓ پر ایک اجمالی تبصرہ:

میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک کی تائید کرنا نہیں چاہتا، لیکن اس قدر ضرور کہتا ہوں، اگر آپ ایسا فرماتے تھے تو شریعت اسلامیہ میں اس خیال کے پیدا ہونے کے مناشی صحیحہ موجود ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ اسلام نے سونے اور چاندی کے زیوروں کو مردوں پر حرام کردیا ہے اور طلائی ونقرئی ظروف کے استعمال کی بھی اسلام نے مرد وعورت دونوں کے لئے قطعاً ممانعت کردی۔ آخر یہ کیوں؟ وجہ ظاہر ہے کہ سونے چاندی خود کوئی مفید چیز نہیں، بلکہ اخروی ودنیوی دونوں ترقیوں کے یہ آلے ہیں۔ اگر کسی کے پاس دس ہزار اشرفیاں ہیں اور ان کو اس نے زمین میں دفن کردیا تو حقیقت یہ ہے کہ اس نے خود اپنے نفس پر، اپنے بال بچوں پر اور قوم پر ظلم کیا، کہ جتنے دنوں تک وہ آغوش زمین میں سوتی رہیں گی، کاش ان سے نجات کی چیزیں خریدی جاتیں تو اسی عرصہ میں وہ دس ہزار سے بیس بن جاتیں۔ یا اگر انہیں خدا کی راہ میں صرف کردیتا تو ہر اشرفی کے مقابلہ میں اسے دس اشرفیوں کا قطعی فائدہ ہوجاتا جو کسی طرح زوال پذیر نہیں۔

سونے کو برتن یا زیوروں کی صورتوں میں مقید کردینے کے یہ معنی ہیں کہ برکتوں اور آمدنیوں کے وسیع دروازہ پر قفل لگادیا گیا۔

اس کے علاوہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس حدیث سے استدلال فرمایا کرتے تھے۔ تاویلوں اور توجیہوں سے قطع نظر کرلینے کے بعد ظاہر نص کا بھی کیا یہی مقتضیٰ نہ تھا؟

اسی کے ساتھ خود قرآن کریم نے جس چیز کو جمع کرنے پر بنی آدم کو داغ دینے کی دھمکی دی ہے، وہ گھوڑے، گدھے، اونٹ، زمین واموال تجارت کچھ نہیں ہیں، بلکہ خصوصیت کے ساتھ ارشاد ہے:

"وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا

كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ."

"اور جو لوگ کہ سونا چاندی کو سینتتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے
خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک دکھ کا مژدہ سنادو۔ جس دن یہ چیزیں جہنم
کی آگ میں تپائی جائیں گی۔ پھر ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں ان
سے داغی جائیں گی اور (کہا جائے گا) یہ وہی ہے جسے تم اپنے لئے جوڑ
کر رکھتے تھے اس کا مزہ چکھ لو۔

میں ان تاویلوں سے بے خبر نہیں ہوں، جنہیں مفسرین اپنی کتابوں میں نقل
کرتے ہیں، مجھے علم ہے کہ بعض لوگوں نے اس آیت کو فرضیت زکوٰۃ سے پہلے کی قرار دے
کر اس کی منسوخیت کا دعویٰ کیا ہے اور بعض لوگ اگرچہ اس آیت کو محکم قرار دیتے ہیں لیکن
"لَا يُنْفِقُوْنَهَا" سے زکوٰۃ مراد لیتے ہیں، یعنی جو لوگ ذہب وفضّہ کو بغیر زکوٰۃ ادا کئے ہوئے
جمع کرتے ہیں یہ دھمکی ان کے حق میں ہے۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو ظاہری معنیٰ پر محمول
کررہے ہیں، اور جو لوگ اس کی تنسیخ یا تخصیص خبر احاد سے کررہے ہیں۔ ان کو اس سے روک کر یہ
دعویٰ کرلیا جائے کہ ذَہب وفضّہ کی کل دو صورتیں ہیں، یا تو اس کو استعمال میں لاؤ، ورنہ اللہ کی راہ میں
خرچ کرو۔ اس کے سوا یہ تیسری صورت کہ گھر میں یونہی ڈال دیا جائے، یعنی "کنز" بنا کر سونے یا
چاندی کو رکھنا، اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، تو بتایا جائے کہ اس میں کیا ناموزونیت ہے اور کون
کہہ سکتا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ محض بے سروپا تھا، خصوصاً جب اس تفسیر کے بعد نہ نسخ ہی کی ضرورت
ہوتی ہے اور نہ تخصیص النص بالخبر الواحد کی خرابی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے، نہ صرف دینی حیثیت سے،
بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اسلام کے گزشتہ بالا اصولِ کلیہ کو سامنے رکھنے کے بعد معاشی حیثیت سے بھی
اس پر نکتہ چینی کی جرأت بمشکل ہی ہوسکتی ہے۔ علی الخصوص جب طبرانی کی اس روایت کو بھی ہم ملا
لیتے ہیں تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معذوری اور زیادہ.... واضح ہو جاتی ہے۔

قصہ یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک چھوٹا سا اسلامی

مدرسہ صفہ کے نام سے قائم تھا۔ غریب محتاج لوگ جو مسلمان ہوتے تھے وہ اسی میں داخل
ہوجاتے تھے عوام ان کی مدد کرتے اور کھانے پینے کا سامان حسب وسعت کردیا کرتے تھے۔
اتفاق سے ایک طالب علم کا انتقال ہوگیا۔ غسل دینے کے لئے جب ان کا کپڑا اتارا گیا تو ان کی
لنگی سے ایک اشرفی برآمد ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا ایک داغنے
والا آلہ ہے اس کے بعد اور طالب علم کا ہوا۔ ان کی بھی جب تلاشی لی گئی تو اشرفیاں برآمد ہوئی،
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا یہ داغنے کے دو آلے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ محدثین وشراح
حدیث اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صفّہ کے طلبہ عموماً لوگوں پر اپنی مسکنت اور غربت ظاہر
کرتے تھے لیکن جب مرنے کے بعد ان کے پاس سے نقد برآمد ہوا تو اس سے ان لوگوں کی ریا
کاری ثابت ہوئی کہ باوجود ثروت کے یہ اصحاب صفّہ میں شریک ہوگئے تھے، جو محض مسکینوں کی
جماعت تھی، خطرہ تھا کہ جب لوگوں کو یہ علم ہوجائے گا کہ صفّہ والوں کے پاس روپے رہتے ہیں
تو مستحق طلبہ بھی امداد سے محروم ہوجائیں گے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میں اس تاویل کو مانتا ہوں، لیکن میرا مقصد یہ ہے کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے سامنے اس قسم کے واقعات متواتر پیش ہوئے، اگر اس کے بعد انھوں نے
ذہَب وفضّہ کے متعلق رائے قائم کی تو یہ کوئی مستبعد اور دور از قیاس نہیں ہے۔ گو عام ارباب
فتاویٰ واصحاب علم کی یہ رائے نہ ہو۔

حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوذرؓ کا مباحثہ مسئلہ کنز پر:

خلافتِ عثمانی کا زمانہ تھا، شام کے ناظم وعامل حضرت معاویہؓ تھے، اتفاق سے ان
کے عہد میں اس مسئلہ کا بہت چرچا ہوا۔ عام طور سے ارباب دُوَل حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے برہم ہورہے تھے، مزاج میں آپ کے مجذوبیت بھی تھی۔ ممکن ہے کہ کسی پر کچھ سختی
بھی کی ہو، اگرچہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں، تاہم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دمشق میں ایک
مسئلہ کی بدولت ایک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ جن لوگوں نے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کو سونے اور
چاندی سے لاد دیا تھا یقیناً ان کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فتویٰ گراں گزرتا ہوگا،

کیوں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوّلاً اسے کنز کی مد میں داخل کر کے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوں گے، ورنہ کم از کم زکوٰۃ کی تاکید تو ضرور کی جاتی ہوگی۔ پھر جو لوگ کہ زیوروں پر زکوٰۃ نہیں سمجھتے تھے (جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے مثلاً ابن عمر وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ (عنہم) ان کو یہ مسئلہ برا معلوم ہوتا ہوگا۔ اور دوسروں ہی کو کیا خود امیر معاویہؓ کو یہ کیا بخشتے تھے۔

لکھا ہے کہ جب دمشق میں امیر معاویہؓ نے اپنی مشہور سبز کوٹھی ''الخضراء'' کی تعمیر شروع کی، تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور امیر معاویہؓ کو مخاطب کر کے فرمانے لگے، تم جو یہ محل تیار کر رہے ہو تو ظاہر ہے کہ یہ خیانت ہے، اور اگر اپنے ذاتی مال سے بنوا رہے ہو، تو یہ اسراف اور فضول خرچی ہے، کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس خاموشی کے سوا اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ (۱)

یہ بھی لکھا ہے کہ بعض موقعوں پر امیر معاویہ کی زبان سے بیت المال کے خزانے کے متعلق یہ تعبیر نکل گئی کہ یہ تو خدا کا مال ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی۔ تشریف لائے، امیر معاویہؓ سے پوچھا کہ کیوں جی، تم مسلمانوں کے مال کو خدا کا مال کیوں کہتے ہو؟ امیر معاویہؓ نے فرمایا، ابوذر خدا تم پر رحم کرے بھائی۔ کیا ہم لوگ اللہ کے بندے نہیں ہیں اور مال جس کے پاس بھی جو کچھ ہے وہ اللہ کا مال نہیں ہے تو کس کا ہے، مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سننے کے بعد بھی اصرار کے ساتھ فرمایا کہ ایسا نہ کہا کرو (بلکہ مسلمانوں کا مال ہی) اس کو کہو، کہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ اچھا میں آئندہ اس کو مال المسلمین ہی کہا کروں گا۔ (۲)

الغرض اس قسم کی باتیں خصوصًا کنز والے مسئلہ نے رفتہ رفتہ اتنی اہمیت حاصل کی کہ حکومت دمشق اس سے متاثر ہوئی یعنی حضرت معاویہؓ کو مجبورًا اس میں دخل دینے کی ضرورت ہوئی۔ وہ بھی آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہی تھے خود صاحب الرائے والا جتہاد تھے

(۱) انساب الاشراف بلاذری ج/۵،ص/۶۵
(۲) کامل ابن اثیر ج/۳،ص/۴۳

انھوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا اور پوچھا کہ آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے نکالا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کی مندرجہ بالا آیات پڑھ دیں، مناظرہ کا سلسلہ جس طرح شروع ہوا، اس کے ناقل خود ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔

حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوذرؓ کا مناظرہ:

حضرت معاویہؓ: آپ نے مطلب غلط سمجھا ہے یہ آیت یہود و نصاریٰ کے رہبان واحبار کی شان میں نازل ہوئی ہے، مسلمانوں کو اس سے کیا علاقہ؟

حضرت ابوذرؓ: ہرگز نہیں، مسلمانوں کی شان میں ہے،

طبقات میں یہ مناظرہ صرف اسی قدر منقول ہے، لیکن تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (واللہ اعلم) یہ سمجھ رہے تھے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے، یعنی

"اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ
بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ."

''بہت سے اہل کتاب کے علماء اور صوفیہ لوگوں کے مالوں کو
جھوٹے طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے ان کو روکتے ہیں
(یعنی قبر پرستی وغیرہ میں لوگوں کو الجھا کر اپنی مٹھیاں گرم کرتے ہیں)۔''

وہ یقیناً احبار و رہبان نصاریٰ و یہود کے حق میں ہے، چوں کہ آیت "والذین یکنزون" (الآیۃ) اسی رہبان واحبار والی آیت کے بعد ہے، یہ صریحی قرینہ ہے کہ اس آیت سے بھی مسلمانوں کو کوئی علاقہ نہیں، بلکہ جو لوگ "یأکلون ویصدون" کے قائل ہیں وہی "یکنزون" کے بھی ہیں۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال مبارک یہ تھا کہ آیت پہلی آیت سے بالکل الگ ہے، ورنہ "اَلذین" کو مکرر کرنے کی کیا ضرورت تھی، جس طرح "یصدون" کو بغیر "اَلذین" کے عطف کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی کیا جاتا یہ دلیل ہے کہ آیت ہر اس شخص

کے لئے عام ہے جو سیم وزر کو جمع کرتا ہے، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ واقعہ کیا ہے۔ جس آیت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کو اختلاف ہو، بے ادبی ہوگی اگر ہم جیسے کُندۂ ناتراش ان میں فیصلہ کرنے کی جرأت کریں۔ یہ ایک ذوقی چیز ہے، سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ پلّہ کس کا جھکا ہوا ہے۔

الغرض مناظرہ ہوتا رہا اور شاید ہفتوں ہوتا رہا، لیکن دونوں ایک ہی اکھاڑہ کے پہلوان تھے، ایک نے دوسرے کی بالکل نہیں سنی، اپنی اپنی رایوں پر ہر شخص قائم رہا اور اس کا دونوں مجتہدوں کو اختیار تھا۔

کامل ابن اثیر(۱) میں قرآنی آیت کے ذکر کے بعد ایک دلچسپ آزمائشی لطیفہ بھی نقل کیا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ جب باتوں سے کام نہ چلا تو امیر معاویہؓ نے کسی کو ایک ہزار اشرفیاں دے کر رات کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا اشرفیوں کو لے کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح ہونے سے پہلے ارباب استحقاق میں ان کو تقسیم کردیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی نماز کے بعد اسی شخص کو بلایا جو اشرفیاں لے کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا تھا اور اس سے کہا کہ تم ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاؤ اور اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے کہنا کہ مجھے مصیبت سے نجات دلایئے۔

بڑی سخت غلطی مجھ سے ہوگئی۔ امیر معاویہؓ نے دوسرے آدمی کے پاس یہ اشرفیاں بھیجی تھیں غلطی سے میں نے آپ کو پہنچا دیں۔ اس آدمی نے یہی کیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بیٹے! معاویہؓ سے کہنا کہ تمہاری اشرفیاں تو صبح ہونے سے پہلے خرچ ہوگئیں۔ آدمی نے یہی جا کر ان کو سنا دیا۔ امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ بے شک ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کچھ کہتے ہیں، وہی کرتے ہیں گویا اس طریقہ سے امیر معاویہؓ نے امتحان لینا چاہا تھا کہ یہ وعظ و نصیحت صرف دوسروں تک ہے یا خود بھی اس پر عامل ہیں؟ ظاہر ہے کہ امتحان میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر کامیاب نہ ہوتے تو اور کون ہوتا؟

(۱) ص: ۲۴/ ج: ۳)

حضرت ابوذرؓ کو سمجھانے کے لیے چند صحابہ بھیجے جاتے ہیں:

تھک کر معاویہؓ نے چند جلیل القدر صحابیوں کو دعوت دی جن میں ذیل کے حضرات تھے:

حضرت ابو درداء، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت اُمّ حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سب کو بلا کر آپ نے فرمایا:

کہ جس طرح ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے، آپ لوگ بھی رہے ہیں، جس طرح ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ اور ان کے دیکھنے والے ہیں، یہی شرف و عزت آپ لوگوں کو بھی حاصل ہے۔ پس کیا آپ لوگ جا کر انہیں سمجھا سکتے ہو؟ (ہماری تو وہ نہیں سنتے) سبھوں نے آپ کی درخواست قبول کی اور متفقہ وفد کی صورت میں یہ لوگ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچے۔ سبھوں نے اپنے اپنے علم اپنے علم و عقل کے اعتبار سے آپ کی فہمائش کی، کاش مؤرخین ان بیانوں کو نقل کرتے تو دلچسپ چیز ہوتی مگر اس وقت تک کسی کتاب میں مجھے اس کی تفصیل نہ ملی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کی گفتگو سن لی تو سب سے پہلے حضرت عبادہ(۱) کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔

''اے ابوالولید (حضرت عبادہؓ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ہم سے ہر بات میں مقدم ہیں، آپ عمر میں بھی بڑے ہیں، ہم پر آپ کو بزرگی بھی حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بھی آپ نے زیادہ اٹھائی ہے پھر اسی پر تو زیادہ تعجب ہے اور مجھے اس وفد سے زیادہ نفرت ہوئی کہ آپ بھی اس میں شریک ہوئے (یعنی باوجود اس فضل و کمال کے آپ بھی سمجھانے آئے ہیں)۔''

۱؎ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ معظّمہ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبۂ اولیٰ میں بیعت ہوئے اور منجملہ نقباء کے ایک نقیب اپنے قبیلہ کے یہ بھی تھے۔ دوسرے عقبہ اور تیسرے عقبہ سب میں یہ مکہ آئے، اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو شام میں معلم اور قاضی بنا کر بھیجا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کا بھی اختلاف ہوگیا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر آپ کو واپس بھیجا اور کہا کہ معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تم پر امیر نہیں ہیں، ۳۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ استعیاب

حضرت عبادہؓ کو تو صرف اس قدر سمجھا کر چپ ہو گئے اس کے بعد علی الترتیب دوسروں کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے:

''رہے تم جی ابو درداء(۱) تو وہ وقت قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے تمہیں ایمان لانے کا موقع نہ ملتا مگر خیر تم ایمان لائے اور اس کے بعد سچے اور صلحائے مسلمین میں سے ہوئے (یعنی تمہاری صحبت تو مختصر ہے۔ تم ہماری باتوں پر کیا نکتہ چینی کر سکتے ہو، منشاء رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر ہم سمجھتے ہیں یقیناً وہاں تک تمہاری رسائی نہیں ہو سکتی)۔

اور عمرو بن العاص رہے(۲)۔ تم خود بتاؤ کہ جہاد کے علاوہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور کیا کیا ہے (یعنی فضیلت صحبت ضرور حاصل ہے۔ خصوصًا جہاد کی صحبت لیکن مسائل شرعیہ کے سمجھنے کے لئے صرف اتنی صحبت کافی نہیں ہو سکتی میں تو سالہا سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفرًا وحضرًا رہا ہوں اور تم جہاد میں۔ پس تم کو بھی مجھ پر اعتراض کا حق نہیں) اور ان بیچاری اُمّ حرام کو کیا کہوں ایک عورت ہیں، پھر ان کی عقل بھی عورت کی عقل ہے۔ اور اخیر میں آپ نے ایک جملہ فرمایا، جس کا مطلب ہمارے نزدیک یہی ہے:

''کہ پس جو تم لوگوں کا حال ہے، ان (یعنی حضرت معاویہؓ) کا بھی اس کے قریب ہے۔'' اس مفصل اور جلالی تقریر کو سن کر حضرت عبادہؓ دم بخود ہو گئے۔ اور یہ کہتے

(۱) آپ کا نام عویمر تھا، اپنے گھر میں سب سے اخیر میں مسلمان ہوئے۔ آپ کا لقب حکیم الامت تھا، جلیل القدر لوگوں میں سے تھے، جس وقت آپ کو یہ خبر ملی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ چھوڑ کر ربذہ چلے گئے تو فرمایا إنا لله وإنا إليه راجعون۔ اگر ابوذر میری بوٹی بھی اڑا دیتا تو میں اس کی مذمت نہ کرتا ۳۴ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ (استیعاب)

(۲) آپ ۸ھ میں اسلام لائے، اس سن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذاتِ سلاسل پر بھیج دیا اور اس کے بعد عمومًا لڑائیوں پر رہے۔ سکندریہ کے فاتح آپ ہی ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان جو مغالطہ ہوا اس میں آپ شریک تھے اور یہ مشہور ہے، ۵۱ھ میں انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت آپ کا جملہ یہ تھا کہ مجھ پر تین زمانے گذرے ہیں۔ کفر کا اور اسلام کا اور اخیر میں بادشاہوں کی صحبت میں مبتلا ہوا۔ اب نہیں معلوم کہ یہ باتیں مجھے فائدہ پہنچاتی ہیں یا نقصان۔

ہوئے واپس تشریف لے گئے۔

''لاجرم ما جلست مثل هذا المجلس أبدا.'' (۱)

''یقیناً میں ایسی مجلس میں کبھی نہیں بیٹھا (جہاں ایسی ایسی کھری کھری سنائی جاتی ہو)۔''

الغرض یہ لوگ جس طرح آئے تھے اسی طرح واپس تشریف لے گئے، حضرت معاویہؓ کو جا کر کہہ دیا ہوگا کہ ان سے ہم لوگ باتیں نہیں کر سکتے۔

آپ کے تبحر علمی پر ایک نظر:

یہ ایک بڑی سخت نادانی ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپس میں جو باتیں کرتے ہیں لوگ ان کو اپنی نسبت سے خیال کر کے شکوک ووساوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، حالاں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ معاصر تھے، برابری کے مدعی تھے، آپ میں ایک دوسرے کو جو کچھ کہتے تھے ان کو اس کا حق حاصل تھا لیکن ان کے باہمی مکالموں سے یہ نتیجہ پیدا کرنا کہ ہم بھی پھر صحابہ کی شان میں وہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں، نہ صرف خرد ماغی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور آپس کی مجلس کی توہین کرنی ہے۔ ہمارے لئے ہر ایک صحابی بزرگ اور ہر ایک ان میں تمام امت کا سردار اور پیشوا ہے۔ ''بأيهم اِقتديتم اِهتديتم'' کے الفاظ ایمان واسلام کے نگینوں کے نقوش ہیں اور مسلمان کے مومن دل پر اس کو کندہ کر لینا چاہئے۔

ہاں یہ الگ بات ہے کہ کسی صحابی نے اگر دوسرے کو کچھ کہا تو اس کی تحقیق میں کوئی مضائقہ نہیں کہ انھوں نے کہاں تک درست فرمایا۔ اگر پتہ چل جائے تو فبہا ورنہ اپنے علم کو متہم کرنا چاہئے۔ سمجھنا چاہئے کہ انھوں نے تو سچ فرمایا ہوگا، لیکن ہم اسے سمجھ نہیں سکے یا

(۱) حضرت انسؓ کی خالہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت مانتے تھے۔ حضرت عبادہؓ کی بیوی ہیں۔ ایک جہاد میں سواری سے گر کر شہید ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو بشارت بھی بحری جہاد کی ملی تھی جس میں وہ شہید ہوئیں۔

واقعات کے نہ معلوم ہونے سے ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ نہ سکے۔ الیٰ غیر ذلک۔

بہر حال چونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس مکالمے میں فضیلت علمی کا ادعا پایا جاتا ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ مختصر لفظوں میں اس پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

حیدر کرّار اقضی الصحابہ وباب العلم کی اس شہادت کو پڑھ لو اور خود غور کرو کہ انھوں نے ایسا فرمایا تو کیا غلط فرمایا۔ فرماتے ہیں:

''ابوذر(۱) سخت حریص اور لالچی تھے۔ لالچی دین کی پیروی کرنے میں اور اس کی باتوں پر عمل کرنے میں اور حریص علم کے حاصل کرنے میں تھے۔

بہت زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے۔

پھر انہیں کبھی جواب دیا گیا اور کبھی نہیں، اس پر بھی۔''

"قد ملئ له في وعائه حتى امتلأ."

''ان کے لئے ان کا پیمانہ بھر دیا گیا حتی کہ وہ لبریز ہو گیا۔''

کیا علم کے دروازے کی یہ گواہی ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دعوے کی یہ دلیل نہیں، خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی جوش میں آکر فرمادیا کرتے تھے کہ:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت تک نہیں بچھڑے ہیں کہ فضائے آسمانی میں بازو ہلا کر اڑنے والا کوئی پرندہ نہیں رہ گیا تھا کہ ہمیں اس کے متعلق کوئی خاص بات معلوم نہ ہوئی ہو۔''

اگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صداقت میں کسی کو شبہ نہیں تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ آپ کی علمی وسعتوں کا کیا حال ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق:

اور کون ہے جو ان کی سچائی میں کوئی شاخسانہ پیدا کرسکتا ہے جب کہ خود سرور

(۱) طبقات ابن سعد جلدج/۴، ص/۱۰

کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان ولہجہ کی صداقت کی خود تصدیق فرمائی۔ صحیح حدیث ہے:

"ما أظلت الخضراء ولا أقلت الغبراء على ذي لهجة أصدق من أبي ذر."

کسی زبان والے پر آسمان نے اپنا سایہ نہیں ڈالا، اور نہ زمین نے اس کا بوجھ اٹھایا جو ابوذر سے بھی زیادہ سچا ہو۔''

کسی تصدیق وتزکیہ کے لئے اس سے زیادہ وزن دار، زیادہ روشن وتاباں الفاظ اور بھی مل سکتے ہیں؟ اور کیا اس حدیث کو پیش نظر رکھنے کے بعد اگر ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دعوے کو نبویؐ دعویٰ یعنی مرفوع حدیث کا حکم دیا جائے تو اصولاً کوئی مانع ہوسکتا ہے؟

الغرض مجھے یہ کہنا ہے کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علوم ومعارف کی فراخ دامانیوں کا جب یہ حال تھا تو اگر انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وفد کو گزشتہ بالا باتیں کہہ کر واپس کر دیا تو کوئی اعتراض وطعن کا مقام نہیں ہوسکتا، کان لہ قلب۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تشدد:

حضرت معاویہؓ نے خود سمجھایا، صحابہ کو بھیج کر فہمائش کی کوشش کی لیکن جب کسی میں کامیابی نہ ہوئی اور ادھر لوگوں کی شکایتوں سے آپ گھبرا گھبرا جاتے تھے تقریباً روزمرّہ ارباب ثروت واصحاب دولت حضرات ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف عرضیاں پیش کرتے اور درخواست دیتے کہ غرباء عموماً ان کی طرف ہو کر ہماری ہجو وتوہین کرتے رہتے ہیں جدھر سے مالداروں کا گزر ہوتا "کَيّ" (داغ) کی آیت وحدیث ان کے سامنے غرباء پڑھ دیتے جس سے خواہ مخواہ طبیعت منقبض ہو جاتی ہوگی۔

انجام کار حضرت معاویہؓ نے مجبور ہو کر مصالح ملکی کو دیکھتے ہوئے منادی کرادی کہ ''ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں کوئی شریک نہ ہو ان کے ساتھ کوئی نہ بیٹھے۔''(۱)

(۱) طبقات ص/۱۷۶

جس وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی خبر ملی کہ مجھ سے مقاطعہ کا حکم دیا گیا ہے تو بجائے بگڑنے اور خفا ہونے کے اس حکم پر آپ نے اسی وقت سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اگر کوئی آپ کے پاس آ کر بیٹھتا تو اسے منع فرماتے اور کہتے کہ ''معاویہ کا حکم ہے کہ ہمارے ساتھ کوئی نہ بیٹھے، دیکھو تم اٹھ جاؤ، میں تمہارے لئے کوئی مصیبت تیار کرنا نہیں چاہتا۔'' (۱)

ابن خلدون کا بیان ہے کہ فتنہ پردازوں کی ایک جماعت اس کے بعد آپ کے پاس آئی، جس نے حضرت معاویہؓ کے خلاف اُبھارنا چاہا۔ (۲) لیکن چوں کہ آپ کی وجہ سے وہاں کوئی فساد نہ اٹھا اس لئے یہ قطعی ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو نکال دیا۔

بلکہ البلاذری نے ''انساب'' میں صراحۃً یہ بیان کیا ہے کہ ان فتنہ پردازوں کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہہ کر نکال دیا کہ حکومتِ وقت کا اقتدار جس کے ہاتھ میں ہے، یعنی مسلمانوں کے سلطان کو جو ذلیل کرے گا پھر اس کے لئے توبہ نہیں ہے۔ فتنہ پردازوں نے یہ سن کر اپنی راہ لی۔ (۳)

وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلے حضرت معاویہؓ نے آپ سے جو گفتگو کی یا کرائی وہ محض ایک صحابی ہونے کی حیثیت سے تھی اس لئے اس کا ماننا آپ کے لئے ضروری نہ تھا۔

اور یہ حکم آپ کا بحیثیت نائبُ الخلیفہ امیر الملک ہونے کے تھا، جس کی مخالفت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ناممکن تھی۔ حضرت معاویہؓ تو ایک قرشی نژاد جلیل القدر صحابی تھے۔ آپ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی، جسے اکثر خود بھی فرمایا کرتے تھے:

''کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی ہے کہ اگر
کوئی حبشی گوش بریدہ غلام بھی تم پر امیر بنایا جائے تو اس کی اطاعت کرنا اور
اس کے حکم کو ماننا''

اور جب ایسے غلام کی اطاعت کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے ضروری ٹھہرا دیا، تھا تو محال تھا کہ حضرت معاویہؓ کے حکم سے وہ سرتابی فرماتے۔ اور ان کے خلاف

(۱) طبقات ص/ ۱۷۶ (۲) ابن خلدون ص/ ۱۲۷ (۳) البلاذری ج/ ۵/ ص/ ۶۵

میں کوئی علم بغاوت العیاذ باللہ، بلند فرماتے۔

لیکن اس کا علاج نہ تھا کہ دور دور سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے آپ ان کو لاکھ منع فرماتے تھے، لیکن جو کشش آپ میں تھی وہ ان بے چاروں کو کھینچ کر آپ کے قدموں میں ڈال دیتی تھی۔

اور جب وہ آ جاتے تو پھر آپ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مشغلہ کو زندہ کرتے۔ کیوں کہ حضرت معاویہؓ نے صرف اس بات کی منادی عامۃ المسلمین کے لئے کی تھی کہ وہ ان کے پاس نہ جائیں۔ لیکن خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پایگاہِ نائب الحکومت سے یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے حدیثیں نہ بیان کریں، یا مسائل وفتویٰ کی اشاعت نہ کریں، اس لئے جب لوگ آ جاتے تو پہلے ان کو اٹھاتے لیکن جب نہیں ٹلتے تو پھر ان کے سامنے کچھ نہ کچھ بیان کرتے تھے۔

آپ کی تبلیغی الوالعزمیاں:

اس وقت تک کثرت سے ایسے واقعات گزر چکے ہیں جس میں آپ کے اس ذوق کی پوری تجلیاں موجود ہیں۔ تاہم اس لئے کہ جب خواہ مخواہ لوگ برہم ہوتے تھے تو آپ نے خاموشی اختیار نہیں کی؟ ہم چاہتے ہیں کہ اس پر ایک مستقل لیکن مختصر تبصرہ اور آپ کے خیالات کا ایک عکس پیش کر دیں۔ صحاح میں ہے کہ آپؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

''ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اس رگ گلو پر تلوار کی دھار بھی رکھ دی
جائے اور کسی سچی بات کی تبلیغ اس سے رہ گئی ہو تو اسے نافذ کر کے رہے گا۔''

یہ بھی عموماً آپؓ بیان کرتے تھے:

''کہ میرے دوست (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت کی ہے
کہ میں سچ بات کہوں اگر چہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو۔''

اسی طرح آپ کا قول یہ بھی تھا۔ (۱)

(۱) مسند احمد

"کہ ان لوگوں (یعنی خلفاء وامراء) کی اطاعت ہم پر ضرور فرض
ہے مگر ان تینوں باتوں میں یہ مانع نہ ہوں۔ بھلائی اور نیکی کی تعلیم دینے
سے، برائیوں کے روکنے سے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی نشرو
اشاعت دل کھول کر کروں۔" (۱)

ظاہر ہے کہ تبلیغ واشاعت کا جذبہ جس کے سینہ میں اس طرح ہیجان انگیز ہو وہ لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر اگر بیقرار نہ ہو تو آخر کیا ہو۔ حدیث کی کتابوں میں آپ کے مواعظ وتذکیرات کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ ہے۔ اس باب میں تمام صحابہ سے الگ تھلگ ایک خاص ذوق کے آپ مالک تھے۔ حج کے موسم میں خصوصیت کے ساتھ آپ کا یہ تبلیغی جذبہ خاص طور پر ابھر جاتا۔ جہاں کچھ لوگ نظر آئے اور کھڑے ہوگئے، فرماتے:

"لوگو! دوڑو ایک مہربان بہی خواہ بھائی کی طرف، میں جندب
غفاری ہوں۔"

کبھی کعبے کی زنجیر تھامے ہوئے تقریر فرماتے:

بہر حال ممکن تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود آپ کو درس ووعظ سے روکتے لیکن ان کا دل حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قدر کرتا تھا۔ آپ ان کی عظمت اور جیسی کچھ قدر ان کی کرتے تھے، وہ اس حکم کے نفاذ میں دامن کش ہو جاتا۔ ارادہ بھی کرتے تھے لیکن مروت وادب مانع آجاتا۔

دربار خلافت سے طلب تائید:

آخر جب خود ان سے کچھ نہ ہو سکا تو مجبور ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں انھوں نے چٹھی لکھی۔ دمشق کے لوگوں کی برہمی اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ وغیرہ کا قصہ انھیں لکھ بھیجا اور اخیر میں لکھا:

"کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے یہاں بہت فساد برپا ہو رہا ہے آپ انہیں

(۱) مسند احمد

مدینۂ منورہ بلوالیں۔" (۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجبوریوں کو دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی خیال کیا کہ انہیں شام سے بلوالیا جائے۔ اور ایک خاص آدمی اس کام کے لئے روانہ کیا۔ اس کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام بھی یہ فرمان تھا کہ "تم ابھی مدینہ چلے آؤ۔"

دمشق سے روانگی:

جس وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرمان ملا، بلا کسی چون وچرا ولا ونعم کے اسی وقت تن تنہا اس شخص کے ساتھ مدینہ روانہ ہوگئے۔ جو آپ کو مدینے سے لینے آیا تھا۔ حتی کہ بال بچوں کے لے جانے کا سامان بھی عجلت میں آپ نہ کر سکے۔ بعد کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اطمینان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی مدینہ روانہ کر دیا۔ جب آپ کے اہل وعیال مدینہ آئے تو سامانوں میں ایک کیسہ برآمد ہوا جس میں پیسے بھرے ہوئے۔ مدینہ میں یہ خبر مشہور تھی کہ آپ مال جمع کرنے کے مخالف ہیں اس لئے لوگوں کو تعجب ہوا مگر جو تنقیح میں نے آپ کے مذہب کی کی ہے اس کے بعد اعتراض کب باقی رہتا ہے۔

مدینہ کا داخلہ:

خود آپ ہی کا بیان ہے کہ جس وقت میں مدینہ میں داخل ہوا خلق اللہ تھی کہ ٹوٹی پڑتی تھی، ہر چہار طرف سے لوگوں نے مجھ کو گھیر لیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس سے پہلے انھوں نے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

مدینہ میں بھی اس مسئلہ کا افشاء اور لوگوں کی برہمی:

زائرین ومشتاقان جمال ابوذرؓ کا یہ ہجوم ایک دو دن تک محدود نہ رہا بلکہ روزانہ لوگوں کی ایک بھیڑ آپ کے گرد رہتی تھی۔ جیسا کہ آپ کی عادت تھی یہاں بھی آپ نے وعظ وپند کا دروازہ کھول دیا منجملہ اور باتوں کے آپ اس ضمن میں مسئلۂ کنز کو بھی بیان کرتے تھے۔

(۱) طبقات ج/۴/ص/۱۶۶

یہ ایک ایسا دلخراش مسئلہ تھا کہ ناسمجھ دولت مندوں کی پیشانیاں بالآخر یہاں چڑھنے لگیں، غرباء امیروں پر ٹھٹھے لگانے لگے، داغ داغ کی صدا ہر طرف بلند ہونے لگی۔ آہستہ آہستہ یہاں بھی اس مسئلہ نے زور پکڑا۔ مسند احمد میں صاف طور سے مذکور ہے۔

''کہ مدینہ والے آپ سے بگڑ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت شروع کیا۔''

بہر حال ''بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست'' مخالفین نے یہاں بھی آپ کو ستانا شروع کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان میں کثرت سے یہ آواز پہنچائی کہ:

''جس وجہ سے انھیں شام سے بلوایا گیا۔ مدینہ میں بھی آکر انھوں نے وہی سلسلہ چھیڑ دیا ہے، ایک فساد برپا ہو رہا ہے۔''(۱)

دربار خلافت میں کعب احبار سے مناظرہ:

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تنگ آکر آخر آپ کو بلوایا۔ اور دربار میں کعب احبار موجود تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ کیا، ان سے بحث کرو۔(۲) اور سمجھاؤ، کعب احبار آگے بڑھے اور مخاطب کر کے اس طرح تقریر شروع کی۔

''آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام مذہبوں میں سب سے زیادہ آسان ومعتدل شریعت اسلام کی ہے۔ اسلام کا ہر قانون انسانی قوتوں کے موافق اور ان کی فطرتوں کے مطابق ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ موسوی شریعت تمام شریعتوں میں سخت گیر ہے اور کڑی ہے۔ پھر جب کہ

(۱) طبقات ج/۴، ص/۱۶۶

(۲) البلاذری نے انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ گفتگو کی ابتدا ایک خاص مسئلہ سے خود حضرت عثمانؓ نے کی یعنی آپ نے حاضرین مجلس کو خطاب کر کے یہ مسئلہ پوچھا کہ مسلمانوں کے امیر اور امام کے لئے جائز ہوگا کہ بطور قرض کے بیت المال سے رقم لے اور حسب سہولت ادا کرے۔ اس پر کعب احبار نے فتویٰ دیا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بس اس مقام سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رخ کعب احبار کی طرف پھر گیا۔ غالبًا اس کے بعد وہ مکالمہ دونوں میں شروع ہوا۔

موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی مال جمع کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ جب یہودیوں کو بھی اس کا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ میں لٹا دیں تو اسلام کی معتدل ومتوسط شریعت میں یہ سخت قانون کس طرح ہوسکتا ہے؟ کہ جو کچھ ضرورت سے زیادہ بچ جائے اسے خدا کی راہ میں لٹا دیا جائے ورنہ قیامت کے دن وہ انگارے بن کر لپٹیں گے۔''

ایک اور معارضہ کتابوں میں منقول ہے، انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی کعب احبار کے منطقی دماغ کا نتیجہ ہے۔ بہر کیف اس کا خلاصہ یہ ہے:

''کہ جب ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ میں لٹا کر مرے اور اپنے پاس کچھ اندوختہ نہ چھوڑے تو پھر اللہ تعالیٰ نے میراث کی آیتیں کیوں نازل کیں؟ جب میت کے لئے کچھ چھوڑ کر مرنا ہی جائز نہیں ہے تو وارثوں پر کیا چیز تقسیم ہوگی؟ الغرض قرآن کی اقتضاء النص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کل مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے۔''(۱)

ایک تو ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جذب غالب تھا، دوسرے دونوں بحثیں قریب قریب ان کے مدعا سے محض بے تعلق تھیں۔ کیوں کہ ابھی تم پڑھ آئے ہو کہ مطلقًا مال اندوزی کے وہ مخالف ہی کب تھے؟

اور یہ کل اعتراضات اس پر پڑ سکتے ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔ آخر وسعت وفراخی کا مدار کیا صرف اس پر ہے کہ گھر میں سونا، چاندی ہو، زمین، اونٹ جانور اموال تجارت وغیرہ سے وسعت وفراخی حاصل نہیں ہوتی۔ پھر اگر سونے چاندی کے دفینہ بنانے کی ممانعت میں ایسی سختی کیا پیدا ہوتی ہے جس سے اسلام کے اعتدالی مسلک پر حرف آسکتا ہے۔ اسی طرح میراث صرف زر وسیم ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور مالوں میں کیا وراثت جاری نہیں ہوتی؟

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصرار جو کچھ بھی تھا وہ محض چاندی، سونے کی حد تک

(۱) روح المعانی ج/۴، ص/۳۰۱

محدود تھا۔ اور اس کا منشاء بھی وہی تھا کہ دونوں چیزیں بیکار رکھ کر چھوڑنے کی نہیں ہیں۔ اور اس میں ایسی کون سی بات ہے جسے ہم فطرت اسلامی پر ظلم قرار دے سکتے ہیں۔ بہر حال میں بتا چکا ہوں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تدین وتمدن دونوں کے اعتبار سے کنز کو غیر مفید سمجھتے تھے اور اس آیت قرآنیہ، احادیث نبویہ، نیز اصول اسلامیہ سے روشنی ڈالتے تھے۔ لیکن کعب احبار نے مسئلہ کی لم کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منشاء کے موافق نہ سمجھ کر اور یہ خیال کرکے کہ مطلقاً مال جمع کرنے کو حرام کہتے ہیں اعتراضات کر دیئے اور اس پر طرّہ یہ کہ یہ بے چارے صحابی بھی نہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایمان لائے تھے اور اعتراض بھی کیا تو اس شخص پر جس پر عام صحابیوں کو بھی نکتہ چینی اور اعتراض کی ہمت مشکل ہی سے ہوتی ہے۔

الغرض مجموعی طور سے یہاں پر کچھ باتیں ایسی جمع ہو گئیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غصہ تھم نہ سکا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی چھوٹا آدمی کسی بڑے آدمی پر نا سمجھی کے ساتھ اعتراض کرتا ہے اور پھر بطور پوچھنے کے نہیں بلکہ الزام دینے کے لئے، تو یقیناً آدمی بے اختیار ہو جاتا ہے، خصوصاً جب اس میں مجذوبیت کی بھی کچھ لٹک پائی جاتی ہو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جواب (۱) وغیرہ تو کیا دیتے وہیں بھرے دربار میں حضرت ابوذر

---

(۱) دربار عثمانی میں جو گفتگو ہوئی بعضوں نے تو اس کی وہی تفصیل بیان کی ہے، جسے اصل کتاب میں میں نے درج کیا ہے۔ لیکن کامل ابن اثیر وغیرہ میں اسی گفتگو کو جس انداز سے نقل کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام سے واپس بلانے کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ شام کے لوگ تمہاری زبان کی تندی وتیزی کے شاکی ہیں، اس کے بعد بطور فہمائش کے حضرت عثمانؓ نے کہا کہ ابوذر! ہم پر ذمہ داری جو کچھ عائد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جو باتیں ہم پر واجب ہیں انہیں ادا کریں اور رعیت کو بھی کدو کاوش اور اعتدال اور اقتصاد کی دعوت دیں۔ لیکن ہم پر یہ تو واجب نہیں ہے کہ لوگوں کو ترک دنیا اور زہد پر مجبور کریں۔ یہ سنکر بجائے جواب دینے کے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زور زور سے کہنا شروع کیا ہرگز ہرگز امیروں سے راضی نہیں ہونا چاہئے جب کہ نیک کاموں پر وہ اپنی دولت نہ خرچ کریں، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش نہ آئیں، بھائیوں کی خبر گیری نہ کریں اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی نہ کریں۔'' دراصل یہی جواب تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ دے رہے تھے کہ میں ترک دنیا پر کب لوگوں کو مجبور کرتا ہوں بلکہ امراء سے غرباء کے حقوق مانگتا ہوں۔ لکھا ہے کہ اسی موقعہ پر کعب احبار کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا کہ جس نے فرض ادا کر دیا.... (بقیہ صفحہ ۱۵۵ پر)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سونٹا اٹھا کر کہا'' اور یہودی (۱)! یہ کیا باتیں بناتا ہے؟''

کعب احبار نے دیکھا کہ معاملہ بگڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ کہیں ابوذر سونٹا رسید نہ کر دیں۔ بیچارے بھاگے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کب چھوڑنے والے تھے غصہ بھڑکا ہوا تھا یہ بھی لاٹھی لئے ہوئے ان کے پیچھے روانہ ہوئے وہ بھاگتے جاتے تھے اور یہ کچھ برا بھلا کہتے ہوئے تعاقب کرنے لگے۔ اخیر میں تھک کر کعب احبار حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھے اور اپنے کو ان کی پشت مبارک پر ڈال دیا۔

مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں بھی پہنچ گئے کہ گو وہ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ ضرور مانتے تھے لیکن اپنا بھائی اور ساتھی بھی تو خیال کرتے تھے۔ غرض پہنچ کر آپ نے ایک سونٹا چلا ہی دیا۔ عام روایت تو یہی ہے کہ وہ مجذوبی لاٹھی کعب ہی پر پڑی۔ لیکن بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اچٹ کر حضرت عثمانؓ کی پشت پر جا کر ٹھہر گئی۔ (۲)

ممکن ہے ایسا ہو گیا ہو کہ اس قسم کی دھینگا مشتی میں یہ کوئی بعید نہیں ہے۔

لیکن منقول نہیں کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

(صفحہ ۱۵۴ کا بقیہ) یعنی زکوٰۃ ادا کر دی بس اس پر جو بات فرض تھی اس سے وہ سبکدوش ہو گیا۔ اسی نقطۂ نظر کا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسروں میں فرق تھا۔ اسی پر ان کو غصہ آ گیا اور کعب احبار کی طرف یہ کہتے ہوئے جھپٹے کہ ''اے تو کون ہے جو یہاں اور اس مقام پر آ کر بول رہا ہے۔'' اسی کے ساتھ ڈنڈا بھی رسید کیا جس سے کعب کا سر کھل گیا۔ (ابن اثیر ج/۳، ص/۱۴۴)

(۱) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے غصہ میں یہ لفظ نکل گیا ہوگا کہ ایک مجذوب آدمی اس میں معذور ہے۔ ابن خلدون میں ہے کہ آپ نے ''او یہود کے بیٹے'' کہا۔ طبری میں بجائے ''عصا'' یعنی لاٹھی کے لکھا ہے کہ آپ نے ''مجن'' سے کعب پر حملہ کر دیا، ''مجن'' بھی ایک قسم کی لاٹھی ہوتی ہے جس کی نوک پر آخر میں آنکس کی مانند کوئی چیز لگی رہتی ہے۔

(۲) یہ قصہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ میں نے تفسیر روح المعانی ج/۴، ص/۴۰۰ سے یہاں نقل کیا ہے۔ ابن خلدون نے خدا جانے کہاں سے نقل کیا ہے کہ کعب احبار کے بھی چوٹ آئی اور سر کھل گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زخم کو مانگ لیا۔ یعنی اپنی خاطر سے معاف کرا دیا۔ انساب الاشراف میں البلاذری نے بھی کعب احبار پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جلالی طرز عمل کا ذکر کیا ہے۔ اس میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ نے فرمایا: ''او یہودی! کیا ہم لوگوں کو تو ایمان سکھاتا ہے۔'' اگر یہ صحیح ہے تو اسی فقرے میں کعب احبار کی تمام اعتراضوں کا جواب مستور تھا۔ دیکھو البلاذری مطبوعہ یہودی یونیورسٹی فلطین ج/۵، ص/۶۵۔

پیشانی پر اس سے کوئی بل بھی آیا ہو اور کسی طرح آ سکتا تھا، وہ خلیفہ کیا بلکہ اس زمانے میں ایشیا اور افریقہ کے سب سے بڑے بادشاہ تھے، مگر ساتھ ہی یہ بھی جانتے تھے کہ ابوذر بھی ایک طائفہ کا سرخیل ہے اور سلطان ہے جس کی گالیوں اور لاٹھیوں پر دنیا کے ہزاروں بادشاہ اپنے زر و جواہر نثار کریں گے اور پھر انہیں حسرت رہ جائے گی کہ حق ادا نہ ہوا۔

غرض یہ مجلس یونہی ختم ہوگئی اور کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

حضرت ابوذرؓ پر حضرت عثمانؓ کی بدگمانی اور اس کی صفائی:

اس مجلس سے آپ اس وقت تو اٹھ کر چلے آئے لیکن اس کے بعد ایک سخت حادثہ پیش آیا۔ یعنی جن دنوں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام سے مدینہ آئے، اسی زمانہ میں عبداللہ بن سبا(۱) یہودی مفسد الامت مسلمانوں کی صورت میں ظاہر ہوکر بغاوت و سازش کی اندرونی تحریکوں میں مصروف ہو چکا تھا بلکہ ابن خلدون وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب شام ہی میں تھے اسی وقت وہ اس فکر میں اسلامی شہروں کی سیر کر رہا تھا اور مختلف صحابہ کو حضرت عثمانؓ کے مقابلے میں ابھارنے کی کوشش میں سرگرم تھا۔

اس فتنے کی مفصل کیفیت القاسم میں بعنوان ''یہودیوں کی زبردست سازش اسلام میں'' کے عنوان سے مدت ہوئی فقیر ہی لکھ چکا ہے اس لئے میں اس کو یہاں پھیلانا نہیں چاہتا۔ تفصیلی طور پر حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فتنے کا گو علم اس وقت نہ ہوا۔ لیکن اجمالی طور پر آپ کو اتنا ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہماری طرف سے بددل و بدگمان ہو رہی ہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جس وقت آپ کو یہ علم ہوا تھا یقیناً اسی وقت آپ خلافت سے ہوسکتا تھا کہ دست بردار ہو جاتے، لیکن خدا کی مرضی یہ نہ تھی، خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ

(۱) یہ یمن کا ایک یہودی تھا بالاتفاق مؤرخین اسلام نے لکھا ہے کہ منافقانہ طور پر عہد عثمانی میں مسلمان ہوجانے کا دعویٰ کر کے اسلامی ممالک میں اپنی ایک مخفی سوسائٹی کے ساتھ سازشی ایک جال بچھایا۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ خود اس کو اور اس کے رفقاء اور ساتھیوں کو تنگ آکر حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگ میں جلوا دیا۔ دیکھو لسان المیزان ج/۴،ص/۲۸۹۔

وسلم نے اپنے محبوب صحابی اور عزیز داماد کو وصیت کی تھی:

''اے عثمان شاید خداوند عالم تم کو کوئی قمیص پہنائیں گے پس اگر منافقین (یعنی بن سبا و اتباعہ) تیرے بدن سے اس قمیص کو اتارنا چاہیں گے تو دیکھو تم خود اس کو ہرگز نہ اتارنا۔ حتیٰ کہ مجھ سے آکر ملو۔''(۱)

ظاہر ہے کہ اس قمیص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد خلافت تھی، اس صورت میں ان کی کیا مجال تھی کہ اس وصیت نبوی کے بعد بھی آپ عبداللہ بن سبا کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر فقط اپنی زندگی کو مطمئن کرنے کے لئے سریر خلافت چھوڑ دیتے۔ دیوانے ہیں جو ایسا سمجھتے ہیں۔ آسمان زمین پر گر جائے یا زمین پھٹ کر دنیا کو نگل جائے اس وقت بھی عثمانؓ جیسے مطیع و فرماں بردار غلام سے یہ ناممکن تھا کہ اپنے آقا صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ کی زبان مبارک سے سنے ہوئے کلمات کی خلاف ورزی کرے۔

یہ ہو نہیں سکتا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کا یہ عقیدہ جزوِ ایمان تھا کہ مضرت وہی مضرت ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مضرت و نقصان خیال فرمایا۔ اور فائدہ بھی وہی فائدہ ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فائدہ سمجھا ہو پس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی امید ہی بوالہوسی ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جن کی آنکھوں نے آفتاب رسالت کے سامنے مصالح و تقیہ کے چراغوں کو کبھی نہیں دیکھا اور نہ دیکھنا چاہا۔ ان کی زبان میں جب کبھی جنبش ہوئی تو انہیں لفظوں کے ساتھ ہوئی۔

''کہ مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا ہے اور میں اس پر صبر کے ساتھ قائم ہوں اور رہوں گا۔''(۲)

اور آخر یہی ہوا کہ صرف اپنے آقا کے پاس عہد میں، سمجھ کر اور جان کر ایک جلیل القدر رئیس عرب نے بصد بے کسی قرآن کے اوراق پر اپنے لہو کو بہا دیا اور خوشی سے بہا دیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

رفتیم باغمت دل پرخوں گزاشتیم
جاں را بعیدہ گاہ تو درخوں گزاشتیم

(۱) ترمذی شریف۔ (۲) ترمذی شریف۔

ہواؤ ہوس کے پھندوں میں گرفتار ہونے والوں کا جواب کیا ہے؟ جو عشق وسرمستی کی چاشنیوں سے محض نابلد ہو، وہ کیا جانے کہ کیا کرنا چاہئے تھا۔ اور کیا نہیں کرنا چاہئے تھا، جس نے اپنے ابتدائے اسلام سے ہمیشہ اپنا طغرائے امتیاز

اندیشۂ زیاں وغم سود شستہ ایم

رکھا ہو، سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر اس کے مقابلہ میں نفع وضرر کی داستانوں کو دہرا کر بیہودہ ہذیانوں سے اپنے اوراق سیاہ کرنے کے کیا معنی ہیں؟

علاوہ ان کے کون کہتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استعفا کے بعد عبداللہ بن سبا کی سازشوں کا خاتمہ ہوجاتا۔ کیا عبداللہ عثمانؓ کا دشمن تھا جو اس کی امید لگائی جاتی ہے؟ جس کی بیخ کنی کے وہ درپے تھا وہ حضرت عثمانؓ کے بعد بھی باقی رہتا اور رہا۔(۱)

خیر یہ تو ایک ضمنی بحث تھی، دل دکھا ہوا ہے اس لئے قلم رکتا نہیں۔ میرا مقصود یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کے کان میں ان خفیہ چہ میگوئیوں کی بھنک پہنچی تو فطرتاً آپؓ اس کا پتہ لگانے لگے کہ کون کون لوگ اس فتنہ میں شریک ہورہے ہیں۔

میں ابن خلدون کے حوالے سے لکھ چکا ہوں کہ مفسدوں کی ایک جماعت شام میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچی تھی اور آمادۂ بغاوت کرنا چاہا تھا(۲) ممکن ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی خبر ہوگئی ہو۔

ادھر مناظرہ کا ایک ناگوار واقعہ اور پھر شام سے یکا یک مدینہ بلوالینا یہ چند باتیں ایسی پیش آگئیں کہ آپ کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی کچھ بدگمانی ہوگئی۔

(۱) حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ابن سبا "كان يهوديًا فأظهر الإسلام وطاف بلاد المسلمين ليضلهم عن طاعة الأئمة ويدخل بينهم الشر والفساد" (ج/۲،ص/۱۲۸ السان)، یعنی ابن سبا یہودی تھا بظاہر اسلام اختیار کر کے مسلمانوں کے شہروں میں گھومتا پھرتا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے امراء کی اطاعت سے برگشتہ کرے اور باہم مسلمان میں شر وفساد پھیلا دے۔

(۲) البلاذری میں لکھا ہے کہ شام ہی میں فتنہ پردازوں کا یہ گروہ حکومت کے خلاف حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھڑا کرنے کے لئے آیا تھا۔

ممکن ہے کہ آپ نے اس خطرہ کا تذکرہ کسی کے سامنے کیا ہو، بہر کیف کچھ ہو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی طرح یہ خبر مل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہماری طرف سے بھی بدگمان ہیں۔

یہ سنتے ہی آپ کو جلال آگیا۔ اسی وقت آپ اٹھے اور اپنے قبیلہ کے چند آدمیوں کو لے کر سیدھے آستانۂ خلافت کی طرف روانہ ہوگئے۔ آپ پر اس کیفیت کو سننے سے ایک ایسی کیفیت طاری ہوگئی تھی کہ گویا مدہوش ہورہے تھے۔ حتی کہ جس دروازے سے مکان خلافت میں جانے کی کسی کو اجازت نہ تھی آپ درہ لئے اسی میں گھس گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ کو اس طرح آتے دیکھا تو یکا یک آپ پر خوف طاری ہوا(۱)۔ جو خطرہ ابھی تک ظن وگمان کی حد تک محدود تھا، اس نے یقین کی صورت اختیار کر لی۔

لیکن فطری وقار وتمکنت نے بظاہر آپ کی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا۔ جس طرح جلوس فرماتے تھے اسی طرح بیٹھے رہے۔

اتنے میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریب پہنچ گئے اور سامنے آکر فرمایا۔

"السلام علیکم" اور قبل اس کے کہ کچھ مزاج پرسی کریں، گھبرائی ہوئی آواز میں آپ نے کہا:

"أحسبتني منهم يا أمير المؤمنين."

"کیا آپ مجھے بھی ان لوگوں میں گمان کرتے ہیں (یعنی مفسدوں میں) اے مسلمانوں کے امیر!"

اور اس کے بعد اس زبان نے جس سے زیادہ سچی زبان آسمانوں اور زمین کے درمیان اور کوئی نہ تھی اس طرح اپنی براءت شروع کی۔

"قسم خدا کی نہ میں ان لوگوں میں ہوں اور نہ ان کو جانتا ہوں کہ

(۱) چونکہ تفصیلی طور پر آپ کو بھی اس کا علم نہ تھا، صرف شام میں ایک دفعہ کچھ لوگ آپ کے پاس آئے تھے اور وہ بھی خدا جانے صحیح ہے یا نہیں بہر حال آپ کا علم اس فتنہ کے متعلق صرف اسی قدر تھا جس قدر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہ کچھ لوگ آمادۂ فساد ہیں اور اس کو علم نہیں کہہ سکتے (ماخوذ از طبقات وفتح)

یہ کون لوگ ہیں۔ان کی علامت تو گھٹے ہوئے سر ہیں۔وہ دین سے اس
طرح دور ہوں گے جس طرح شکار کو تیر توڑ کر نکالا جاتا ہے۔"(۱)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی براءت کے لئے یہ الفاظ خصوصًا جب وہ قسم کے ساتھ ہوں بہت کافی تھے۔لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو عظمت و وقعت آپ کے دل میں تھی اس نے بس کرنے نہ دیا۔آپ کو فکر اور سخت فکر دامن گیر ہوئی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل سے یہ خیال کسی طرح مٹ جائے۔

اس وقت کی بے چینی ٹھیک اس وقت کی بے چینی کے مشابہ تھی کہ کسی کا محبوب کسی سے بدگمان ہوگیا ہو۔اور شیدائے جاں باز سر پر پاؤں رکھ کر ہر ایک ممکن العمل ذرائع سے اس کی تشفی کرنا چاہتا ہو.....آبگینۂ دل احباب کی نزاکتوں کا خیال کر کے مکرر الحاحوں، اور التجاؤں سے اپنی صفائی پیش کر رہا ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر ارشاد فرما رہے ہیں:

"آپ اگر حکم دیں کہ پالانوں کی لکڑیوں میں لٹک جاؤں تو میں سچ کہتا ہوں کہ اسی وقت لٹک جاؤں گا اور لٹکا رہوں گا جب تک کہ آپ ہی اس کے چھوڑنے کا حکم نہ دیں(۲) (یعنی باوجودیکہ یہ ایک لغو کام ہوگا، لیکن آپ کی خاطر واطاعت مجھے اس درجہ منظور ہے کہ نفع وضرر کا خیال دماغ میں آہی نہیں سکتا) اسی طرح اگر آپ فرمائیں کہ کھڑا ہوجا! تو میں کبھی نہیں بیٹھوں گا، جب تک آپ ہی حکم نہ دیں۔" (۳)

مؤرخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد حضرت عثمانؓ اٹھے اور ہاتھ پکڑ کر آپ کو اپنے پاس بٹھایا۔ولنعم ما قیل ؎

ملتے ہی آنکھ رنج نہ تھا رشک غیر تھا
کیا جانے اس نگاہ نے سمجھا دیا مجھے

(۱)ایضاً (۲)یہ تمام واقعات طبقات ابن سعد سے ملتے ہیں۔ (۳)فتح الباری

طبقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد دیر تک دونوں میں کچھ سرگوشیاں ہوتی رہیں، حتی کہ کبھی کبھی آواز بھی بلند ہوجاتی تھی۔(۱)

آخر جب یہ مجلس راز ونیاز ختم ہوگئی اور خدا جانے کن باتوں پر ہوئی کہ ادھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ بھی اسرار نبویہ کا گنجینہ تھا، ادھر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ پوچھنے والوں سے فریاد کرتے تھے کہ کیا پوچھنا چاہتے ہو۔اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار دریافت کرنا چاہتے ہو، تو میں کبھی نہیں بتاسکتا۔(۲)

جہاں دونوں طرف یہ حال ہو وہاں ماوشما کی رسائی اور وہ بھی سرگوشیوں کے موقع پر جو کچھ ہوسکتی ہے، وہ معلوم، ہاں! طبقات ہی سے اس قدر اور بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد جب حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے تو باچھیں کھلی ہوئی تھیں اور مسکراتے ہوئے باہر نکلے۔لوگوں نے پوچھا بھی کہ امیر المؤمنین اور آپ سے کیا باتیں ہوئیں؟ لیکن آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔صرف اس قدر فرماتے ہوئے روانہ ہوگئے:

"سننے والا فرماں بردار ہوں، اگر مجھے وہ حکم دیں گے تم عدن یا صنعاء چلے جاؤ اور مجھ میں طاقت چلنے کی رہے گی تو میں اسی وقت چلا جاؤں گا۔"(۳)

مدینہ سے کوچ:

اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کو بھی چھوڑ دیا، لیکن کیوں چھوڑا۔عام مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جلاوطن کر دیا تھا۔مگر اس باب میں سب سے زیادہ مؤثق کتاب طبقات ابن سعد ہے۔علاوہ بہت سی خصوصیتوں کے سب سے بڑی خصوصیت اس میں یہ ہے کہ طبقات صحابہ میں سب سے پہلی اور قدیم کتاب ہے۔بعد والوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے عمومًا اسی کے رہین منت ہیں، اس لئے اس وقت جو کچھ لکھوں گا اسی سے لکھوں گا۔

طبقات میں مختلف روایتیں ہیں، لیکن یہ کسی میں نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے

(۱)طبقات ابن سعد ج/۴،ص/۱۶۷ (۲)مسند احمد (۳)طبقات ابن سعد

ابوذرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جلاوطن کردیا ہے حالانکہ یہ ایک واقعہ ہے۔ کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ابن سعد کو اس کی خبر کیوں نہیں۔ اور متأخرین اس پر کہاں سے مطلع ہوئے، لیکن تھانہ والے چوروں کو پہچان لیتے ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ روایت اسلامی تاریخوں میں کہاں سے داخل ہوئی اور کس غرض سے داخل ہوئی۔ آہ! کہ عبداللہ بن سبا مسلمانوں کے راستے پر نہایت احتیاط سے بیٹھا، اوراس نے وہ کام کئے جو اس کے نجدی شیخ کو بھی نہ سوجھے۔

لـمثل هذا يذوب القلب من كمد إن كان في القلب إيمان وإسلام.

''اسی قسم کے واقعات سے بوجہ اندوہ نہانی کے قلوب پگھل جاتے ہیں، اگر ان میں ایمان اور اسلام کا ذرا سا بھی شائبہ ہو۔''

بہرکیف، ابن سعد نیز امام بخاریؒ کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مدینہ منورہ میں لوگوں کا ہجوم بہت زیادہ ہونے لگا۔ حتی کہ آپ کے مشاغل میں حرج واقع ہونے لگا۔ آخر اس کا تذکرہ حضرت عثمانؓ سے کیا، اور خواہش ظاہر کی کہ مدینہ سے چلا جانا چاہتا ہوں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ:

''تم ہمارے پاس چلے آؤ (یعنی جب ہمارے پاس رہوگے تو لوگ خواہ مخواہ تنگ نہیں کریں گے) شیردار اونٹنیاں صبح وشام آپ کے پاس آیا کریں گی۔''(۱)

لیکن آپ کا اصرار بڑھتا رہا، فرمایا کہ مجھکو دنیا کی ضرورت نہیں (یعنی اونٹوں کی ضرورت نہیں) مجھے اجازت دے دیں، اور وجہ بھی ظاہر تھی کہ آخر مسجد نبوی میں نماز کے لئے تو ضرور جاتے، مدینہ اس زمانہ میں دار الخلافۃ الکبریٰ تھا۔ لاکھوں آدمیوں کا اجتماع رہتا تھا، جس وقت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلتے خواہ مخواہ لوگ پیچھے پڑ جاتے کہ دنیا کی اس وقت بھی یہی عادت ہے کہ اس قسم کے بزرگوں کے پیچھے عوام بے تحاشا دوڑتے پھرتے ہیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ مدینہ کی آبادی شام تک پھیل

(۱) طبقات ابن سعد۔

گئی ہے اس حالت میں مجھے یہاں رہنے کا حکم نہیں۔(۱)

آخر حضرت عثمانؓ نے مجبور (۲) ہوکر فرمایا:

"إن شئت تنحيت فكنت قريبا."

''اگر تم یہی چاہتے ہو تو پھر (مدینہ) کے کسی ناحیہ میں چلے جاؤ تا کہ قریب رہو۔''

اس پر آپ نے فرمایا کہ:

"إئذن لي أن أخرج إلى الربذة."

''آپ اجازت دیجئے تا کہ میں ربذہ چلا جاؤں۔''

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ اچھا آپ وہاں جاسکتے ہیں۔ میں بیت المال سے کچھ اونٹنیوں کو دودھ کے لئے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔(۳)

لیکن ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غنی طبیعت نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ قریش کے نوجوان جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے ان کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا:

"دونكم معاشر قريش دنياكم فأغنموها لا حاجة لنا فيها."

''قریشیو! اپنی دنیا کو تم لو اور اسے خوب زور سے تھامو، ہمیں اس کی ضرورت وحاجت نہیں۔''

(۱) طبقات ابن سعد۔

(۲) ابن جریر طبری میں آخری وجہ مذکور ہے۔ الانساب الاشراب بلاذری میں گو بعض نہایت مکروہ واقعات نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت عثمان جیسے حیا پرور انسان کی زبان کی طرف ایسی فحش گالیاں منسوب کی گئی ہیں جنہیں آج بھی کوئی شریف آدمی اپنی زبان سے نکال نہیں سکتا لیکن غنیمت ہے کہ اسی کتاب میں مدینہ منورہ کے جلیل تابعی حضرت سعید بن المسیبؒ کا قول بھی اس میں درج ہوگیا ہے۔ یعنی سعید نے اس کا انکار کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اخراج عمل میں آیا تھا انھوں نے فرمایا: "إذا خرج أبو ذر إليها راغبًا في سكنٰها"۔ یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود ربذہ میں رہنے کے لئے اپنی خواہش سے گئے تھے، ظاہر ہے کہ سعید بن المسیبؒ سے زیادہ قوی شہادت اور کس کی ہوسکتی ہے۔

(۳) ابن سعد

یہ فرما کر آپ حضرت عثمانؓ سے رخصت ہوئے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ زہد عیسوی کا جو کامل نمونہ تھا۔محمدی مسیحیت کا وہی مظہر اتم اپنی آخری زندگی گزارنے کے لئے اسی صحراء کی طرف روانہ ہوگیا جہاں سے پھر کہیں منتقل نہیں ہوا۔

رِبذہ:

ذات عرق سے جو سڑک مکہ معظّمہ گئی تھی۔ٹھیک اسی کے کنارے ربذہ ایک مختصر سے گاؤں کی صورت میں آباد تھا اور مدینہ منورہ سے کل تین منزل دور تھا۔

اصمعی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ نجد کا تذکرہ کرتے ہیں اس کے عرار و بہار(۱) کی روح پرور نسیم پر سر دھنتے ہیں حالانکہ نجد کا سب سے عمدہ قطعہ شرف ہے جسے میں نجد کا جگر سمجھتا ہوں، اسی خطۂ شرف میں ربذہ بھی شامل تھا۔شرف میں جو خاص سرکاری رکھت تھی ربذہ اس کے داہنے جانب پر واقع تھا۔(۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی جس طرح کی ہوگئی تھی، حقیقت یہ ہے کہ اس کے مناسب ربذہ سے زیادہ موزوں مقام مدینہ منورہ کے نواح میں بمشکل ہی میسر آسکتا ہے۔

جامہ بود کہ بر قامتِ او دوختہ بود

کائنات کے بادشاہ کا روضۂ مبارک بھی سامنے تھا اور جس قسم کے فتن اور مفاسد کا زمانہ آرہا تھا اس سے بھی آپ کو گونہ علیٰحدگی ہوگئی، جس کی وصیت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کی تھی۔حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی راوی ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیت

"وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ."

"جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے مخلص نکال دے گا اور اس کو اس جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہوگا۔"

(۱) عرار و بہار نجد کے دو خوشبودار پھولوں کے نام ہیں۔عرب کے شعراء اس کے بہت دلدادہ تھے۔

(۲) معجم البلدان

بار بار تلاوت فرما رہے تھے حتی کہ اخیر میں آپ پڑھتے پڑھتے تھک گئے گویا آپ پر غنودگی سی طاری ہوگئی، عین اسی حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح گفتگو شروع کی۔ابوذر! اگر تم مدینہ سے نکالے گئے تو کہاں جاؤ گے؟

حضرت ابوذر! میں تلاش رزق اور فراخیٔ معاش کے لئے مکہ کے کبوتروں میں شامل ہو کر کوئی کبوتر بن جاؤں گا (یعنی مکہ چلا جاؤں گا)۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم: اگر وہاں سے بھی تم کو نکلنا پڑا تو پھر کہاں جاؤ گے؟

حضرت ابوذرؓ: شام کی پاک ومبارک زمین کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم: اگر وہاں سے بھی نکلے؟

حضرت ابوذرؓ: تو پھر تلوار اپنے کاندھوں پر اٹھالوں گا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم: نہیں ایسا نہ کرنا فرمانبرداری اور اطاعت کرنا۔ اگر چہ کوئی حبشی غلام ہی تم پر حاکم کیوں نہ ہو۔(۱)

پس انہوں نے ایسا ہی کیا، فساد و جدال کا زمانہ آنکھیں دکھا رہا تھا، عبداللہ بن سبا کے ذریعہ جو شعلہ مصر کے آتش دان سے بھڑک رہا تھا اس کی گرمی مدینہ منورہ میں بھی محسوس ہو رہی تھی۔ایسے وقت میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عزلت گزینی پر اگر عمل کیا تو درحقیقت یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشاد کی تعمیل تھی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس فساد کی خبر دے چکے تھے۔

مسند احمد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے ایک دن فرمایا:

"يا أبا ذر أرأيت إن قتل الناس بعضهم بعضًا حتى تغرق حجارة الزيت من الدماء كيف تصنع قال الله ورسوله أعلم، قال اقعد في بيتك وأغلق عليك بابك. قال فإن لم أترك قال

(۱) مسند احمد

فأت من أنت منهم فكن فيهم، قال فآخذ سلاحي؟ قال إذًا تشاركهم فيماهم فيه ولكن خشيت أن يوذيك شعاع السيف فانفطرت ردائك علىٰ وجهك حتى يبوء باثمه واثمك."

''اے ابوذرؓ: تو کیا کرے گا جب آپس ہی میں ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کردیں گے حتی کہ (اس قدر خون بہایا جائے گا) کہ حجارۃ الزیت (مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے) کی زمین خون میں غرقاب ہوجائے گی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں کہ مجھے اس وقت کیا کرنا چاہئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے گھر بیٹھ جانا اور دروازہ بھیڑ لینا، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اگر وہ ہمیں نہ چھوڑیں؟ آپ نے فرمایا، تب جن لوگوں سے تم ہو ان کی جماعت میں آکر مل جانا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تو کیا میں تلوار اٹھاؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تم بھی فساد میں شریک ہوجاؤ گے (یعنی ایسا نہ کرنا) اور اگر تم کو تلواروں کی چمک سے خوف معلوم ہو تو اپنے چادر کو پلے سے منہ ڈھانک لینا تاکہ تم پر حملہ کرنے والا تمہارا اور اپنا گناہ لے کر واپس ہو۔''

کس قدر سیاہ اور ناپاک الزام ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ربذہ میں نظر بند کردیا تھا(۱) حالانکہ واقعہ جو کچھ بھی ہے کچھ تو سن چکے اور آئندہ بھی تمہیں معلوم

(۱) البلاذری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ربذہ آپ نے جلاوطن فرمایا دیا سن کر فرمانے لگے، سبحان اللہ قطعًا جو باتیں لوگ پھیلا رہے ہیں ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی ہے ہم ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بزرگی اور فضل کو خوب جانتے ہیں، مسلمان ہونے میں ان کو سبقت کا جو شرف حاصل ہے اس سے بھی واقف ہوں۔ ہم لوگ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ) ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ کسی کو شوکت وعزت میں وزن دار نہیں سمجھتے۔ اصل الفاظ میں "ما كنا نعد في أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أهل شوكة منه." (البلاذری ج/۵،ص/۵۶)

ہوگا۔ خود ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعض لوگوں نے آکر پوچھا کہ تم ربذہ کس طرح آئے اور کیوں آئے، اس کے جواب میں آپ نے اجمالی طور پر واقعات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''کہ میں شام میں تھا، وہاں مجھ میں اور معاویہ میں آیت "وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ" الآیۃ میں اختلاف ہوگیا۔ معاویہ کہتے تھے کہ یہود ونصاریٰ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور میں کہتا تھا کہ ہماری اور ان کی دونوں کی شان میں ہے۔ اس پر بات بڑھ گئی۔ انھوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس میری شکایت کردی (حالانکہ حضرت معاویہ کو اخراج کا اختیار خود بھی حاصل تھا مگر یہ محض ادبًا تھا) عثمانؓ نے لکھا کہ "مدینہ چلے آؤ" میں مدینہ آگیا۔ یہاں اس قدر ہجوم مجھ پر ہونے لگا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انھوں نے اس سے پہلے مجھ کو دیکھا ہی نہ تھا۔ عثمانؓ سے اس بات کا تذکرہ کیا گیا انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر جی چاہے تو آپ ربذہ چلے جائیں تاکہ قریب بھی رہیں (یعنی لوگوں کی بھیڑ سے نجات بھی مل جائے اور ہمارے قریب بھی رہیں گے) پس فقط اتنی بات مجھے یہاں لائی ہے۔''(۱)

آپ کا یہ بیان اگرچہ بہت مجمل ہے جس کی تفصیل بھی آپ کے ہی دوسرے بیان سے کرچکا ہوں۔ میری غرض صرف اس قدر ہے کہ آپ خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام نہیں لگاتے تھے تو دوسروں کو کیا حق ہے کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن امانت پر اس واقعہ کا داغ قائم کریں۔

کس قدر عجیب ہے کہ اگر کسی مصلحت سے حضرت عثمانؓ نے آپ کو مدینہ سے الگ کیا ہوتا تو پھر ربذہ میں کیوں رہنے کا حکم دیتے۔ مدینہ اور ربذہ میں فاصلہ ہی کتنا ہے۔ علاوہ اس کے ربذہ ایک ایسا مقام تھا جہاں سے ہر سال ربذہ کے مسافر لاکھوں کی تعداد میں مکہ معظّمہ جایا کرتے اور حاجیوں کی گویا وہ فرودگاہ بھی تھی، ایسے مخدوش آدمی کو ایسی گزرگاہ میں قید کرنا کس قدر قرین عقل ودانش لگتا ہے۔ خصوصًا جب ارباب تاریخ یہ بھی لکھتے ہیں کہ

(۱) طبقات ابن سعد

ربذہ سکونت اختیار کرنے کے بعد یہ بھی۔

"كان أبو ذر يتعاهد المدينة مخافة أن يعود أعرابيًّا". (۱)

(یعنی مدینہ منورہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لئے آتے جاتے رہتے تھے کہ کہیں گاؤں میں رہنے سے ان کے اندر دہقانیت اور بداوت نہ پیدا ہو جائے)

اور سچ تو یہ ہے کہ شام کی چھاؤنی میں جب وہ تھے اس وقت بھی جب ان سے صبر نہ ہوسکتا تھا بھاگ بھاگ کر اپنے محبوب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کی زیارت کو آتے رہتے تھے، خلیفۂ وقت سے رخصت حاصل کر کے قبۂ خضراء کی مجاورت کر کے اپنی مضطرب روح کے سکون کا سامان پیدا فرماتے رہتے تھے۔ تو مدینہ سے اتنی نزدیک جگہ رَبذہ میں رہ کر ان سے صبر کی کیا توقع ہوسکتی تھی اعرابی اور دہقانی ہونے کا اندیشہ، یہ بھی ایک مجذوبانہ لطیفہ تھا۔ راہ عشق کی رسوائیوں کا وہ بھی ایک نام نہاد پردہ تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعض کتابوں میں یہ فقرہ جو منقول ہے کہ ہجرت کے بعد عثمان نے مجھے پھر اعرابی (دہقانی) بنادیا۔ یہ بھی ایک جذباتی لطیفہ ہی ہے۔ (۲)

حقیقت یہ ہے کہ دجاجلہ وضاعین الحمدللہ کہ اس قدر رغبی اور بدحافظہ ہوتے ہیں کہ باتیں ضرور بناتے ہیں۔ لیکن اس درجہ خام اور جھوٹ ہوتا ہے کہ چند جرحوں میں ان کی کل دروغ بافیوں کے تار پود بکھر جاتے ہیں (۳)۔ "فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ."

(۱) ابن اثیر، ج:۳/ص:۴۴ (۲) دیکھو البلاذری ج/۵، ص/۵۶

(۳) یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باہمی سوءِ مزاجی کے قصوں کو بتدریج پچھلی تاریخوں میں بہ نسبت ان کتابوں کے جو عہد صحابہ سے زیادہ قریب ہیں، خوب رنگین کیا گیا ہے۔ الیعقوبی نے تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں، جن سے بجائے صحابی ہونے کے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان فرقوں میں سے ایک خاص فرقہ کے عقائد رکھتے تھے جو بعد کے مسلمانوں میں پیدا ہوئے۔ ان واقعات کے پڑھنے میں ہمیشہ یہ دیکھ لینا چاہئے کہ کتاب کا مصنف کسی خاص فرقہ کا آدمی تو نہیں ہے۔ خصوصا ایسے فرقوں کا جو اپنے مدعا کے مطابق بات بنا لینے کو ثواب سمجھتے ہیں، اس لئے علامہ ابن جریر طبریؒ اور دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ نہایت مکروہ باتیں ہیں جن کا ذکر میں بھی پسند نہیں کرتا، ج/۵، ص/۶۷

بہرکیف یہ معاملہ اس درجہ بدیہی اور صاف ہے کہ جو واقعات آئندہ میں درج کروں گا، انشاءاللہ اسی میں ان تمام بہتانوں کی پوری تردید ملے گی۔

بالفعل میں ربذہ کی آبادی وغیرہ اور آپ نے جس طرح اپنی زندگی وہاں گزاری اس کا خاکہ پیش کرتا ہوں۔

ربذہ کی آبادی:

میں بتا چکا ہوں کہ ربذہ شرف نجد کا ایک پرفضا قطعہ تھا جہاں سرکاری رکھت بھی تھی اور یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ ذات عرق سے جو سڑک مکہ مکرمہ کو جاتی تھی، اس کے کنارے وہ واقع تھا۔

مسافروں کی ایک منزل وہاں بھی ہوتی تھی ان ہی وجوہ کی بنا پر ایک معمولی سی چوکی خلافت کی جانب سے وہاں قائم تھی، جو رکھت کی حفاظت اور راہ گیروں کے امن وامان کی ناظم تھی۔ چوکی پر ایک افسر مقرر تھا اور کچھ اس کے ساتھ عملہ بھی تھا۔ ان ہی سب سے مل کر اس نے ایک گاؤں کی صورت اختیار کر لی تھی۔

حافظ ابن حجرؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی بیت المال کے اونٹ وغیرہ یہاں رہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ریوڑوں کی حفاظت کے لئے یہاں کبھی کبھی آ کر سکونت (۱) پذیر ہوتے تھے ان کا یہ خیال بھی ہے کہ چونکہ اس مقام میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے بھی رہ چکے اور یہاں سے مانوس تھے، اس لئے بھی آپ نے اور مقاموں سے اسی کو ترجیح دے کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ میں وہیں جاؤں گا۔ بہرکیف جس زمانہ میں آپ یہاں تشریف لائے، تو وہاں کے افسر نظم ونسق ایک حبشی غلام مجاشع (۲) نامی تھے۔ مردوں کی آبادی تقریباً بارہ تھی۔ کچھ عورتیں بھی تھیں جن کی صحیح تعداد مجھے معلوم نہ ہوسکی۔ ان لوگوں کیلئے خافت کی

(۱) فتح الباری ج/۳۔ علاجًا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ربذہ ہی بھیجا تھا۔

(۲) تاریخ ابن اثیر

طرف سے ایک مسجد بھی بنوادی گئی تھی۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ مسجد حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے بنوائی تھی۔(۱)

ربذہ کا قیام۔سامان زندگی:

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سالانہ وظیفہ دربار خلافت سے چار ہزار درہم تقریباً نوسوروپیہ(۲) مقرر تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کے ساتھ یہ بھی ارادہ کیا تھا کہ چند شیر دار اونٹنیوں کو آپ کے لئے خاص کر دیا جائے (۳) لیکن جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو، آپ نے لینے سے خود انکار کر دیا۔ پس مستقل آمدنی یا سرمایہ جو کچھ سمجھو ان کے پاس یہی تھا۔ اس سے آپ نے مختصر سامان خریدا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ دو گدھیاں، چند گدھے۔ چند اونٹ سواری اور پانی لانے کے لئے۔ کچھ بکریاں جن کی تعداد مجھے معلوم نہ ہوسکی، دو غلام ایک چھوکری۔ طبری میں ہے کہ سرکاری عمال جو ربذہ میں تھے حکومت کی طرف سے روزانہ ان کے لئے چند اونٹ ذبح ہوتے تھے اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس سے ایک حصہ ملتا تھا۔(۴)

وہاں بھی مکان حسب دستور آپ نے اینٹ و مٹی کا نہیں بنایا۔ کمبلوں کا ایک جھونپڑا ڈال لیا تھا۔ قریب ہی آپ نے ایک تالاب بنوالیا تھا جس میں برسات کا پانی جمع ہوکر ذخیرہ ہوجاتا تھا۔ آنے جانے والے مسافر اور ان کی سواری کے جانوروں کا کام بھی

(۱) طبری، کامل، ابن خلدون، سب نے یہی کہا ہے۔ طبری میں ہے "فخط بها مسجدًا" یعنی ربذہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مسجد کی داغ بیل ڈالی اور اسے تعمیر کیا۔

(۲) عام کتابوں میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عطا یعنی تنخواہ کی مقدار بھی بتائی گئی ہے۔ لیکن الذہبی نے اپنی کتاب دُولِ اسلام میں لکھا ہے کہ سالانہ عطا حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چار ہزار دینار تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مقدار بہت بڑھ جاتی ہے۔ دیکھو مختصر دُول الاسلام ذہبی ص/۱۴، مطبوعہ دائرۃ المعارف، میرے خیال میں الذہبی ہی کا بیان صحیح ہے۔

(۳) لیکن طبری وغیرہ میں ہے کہ اونٹ کا ایک ''صرمہ'' (گلہ) آپ کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختص کر دیا تھا اور دو غلام بھی ساتھ کر دیئے تھے۔

(۴) ص:۶۷/ج:۵۔

اس تالاب کے پانی سے چلتا تھا اور ربذہ میں جس زمین پر آپ کاشت کرتے تھے اس کی سیرابی اور جو نخلستان تھا اس کی بھی سیرابی اسی سے ہوتی تھی۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دوسرے مشہور کاشت کار صحابی رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدینہ چھوڑ کر ربذہ میں آبسے تھے۔

الطبری نے اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ان دونوں نے کوئی بات سنی تھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی تھی جس کی تشریح پورے طور پر تو ان سے نہیں کی گئی تھی۔ لیکن دونوں کی سمجھ میں یہی آیا اور ربذہ آنے پر دونوں متفق بھی ہوگئے۔(۱)

میرا خیال ہے کہ کاشتکاری اور باغبانی کے اس ذوق میں جسے ربذہ میں حضرت کے اندر پاتے ہیں اس میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خاندانی ذوق کو بھی غالباً دخل تھا۔ کیوں کہ ان ہی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے خاندان سے بڑا کاشت کار عہد نبوت میں اور کوئی نہیں تھا۔

اہل وعیال:

بہر حال ربذہ میں آپ کے ساتھ ایک تو آپ کی حرم محترمہ اور دوسری آپ کی صاحب زادی صاحبہ تھیں۔ کیوں کہ بچے تو بہت پیدا ہوئے لیکن عموماً کمسنی میں انتقال فرما گئے۔ حلیہ میں ابونعیم نے بچوں کے مرنے کے متعلق آپ کا ایک عجیب فقرہ نقل کیا ہے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ ابوذر! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آپ کے بچے زندہ کیوں نہیں رہے؟ آپ نے فرمایا:

"الحمد لله الّذِي يأخُذُهم في دار الفناء ويدخرهم في دار البقاء."

''شکر ہے اللہ کا جس نے ان بچوں کو فانی گھر سے لے لیا اور باقی رہنے والے گھر کے لئے ان کو ذخیرہ بنالیا۔''

شاکر ہر حال میں شکر کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ اور صبر، تو اپنے تمام ثمرات کے

(۱) طبری:۶۷

ساتھ وہ اپنے مقام پر قائم ہی ہے۔ اولاد کے لئے لوگوں نے آپ کو دوسری بیوی کرنے کا مشورہ دیا، لیکن راضی نہ ہوئے۔ آخر عمر میں آپ کا خاندان ان ہی دو عورتوں (بیوی اور بیٹی) اور خود آپ کی ذات سے عبارت تھا۔

الغرض ربذہ کی وادی میں ایک سرمست خمخانۂ حجاز کا مخمور الست اپنی زندگی انہیں سامانوں پر گزار رہا تھا۔ اور خوش تھا کہ دنیا کے تمام جھگڑوں سے اسے نجات مل گئی تھی۔ شہروں کے شوروغوغا سے الگ ہوکر روحانی مسرتوں کی لذت اندوزیوں میں باطمینان مصروف تھا، سطحی نگاہوں میں گو موجودہ حالت مسکنت وافلاس کی تھی، لیکن ژرف نظروں سے پوچھو، ان سے دریافت کرو، جو کسی نرگس مست کی غلامی لکھوا چکے ہوں، اور کسی کے بادۂ لعل سے دل وجان کو خراب کر چکے ہوں کہ وہ کیا کہتے ہیں

غلام نرگس مست تو پادشاہا نند

خراب بادۂ لعل تو ہوشیارا نند

بہر حال ربذہ میں آپ کے پاس جو کچھ تھا اوروں کے نزدیک وہ کافی ہو یا نہ ہو، لیکن ان کے غنی دل نے ہمیشہ اس کو کافی خیال کیا۔

شام کے گورنر حبیب بن مسلمہ نے ایک دفعہ آپ کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں اور لکھ بھیجا:

"أعن بها على حاجتك."

''اپنی ضرورتوں میں ان سے مدد لیجئے۔''

لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاصد کو جواب میں کیا کہا:

''ان اشرفیوں کو تم ان ہی (یعنی حبیب) کے حوالے کر دینا اور کہنا کہ ان کو مجھ سے زیادہ غریب آدمی نہیں ملتا، خدا کے فضل سے میں ایک سائبان رکھتا ہوں جس کے سائے میں میں آرام کرتا ہوں۔ بکریوں کے ایک گلے کا بھی مالک ہوں جو دن بھر چر کر شام کو میرے گھر آجاتی

ہیں (اور دودھ کی ان کی وجہ سے ریل پیل ہو جاتی ہے) ایک کنیز بھی ہے جو میرے کام کاج میں میرا ہاتھ بٹاتی ہے۔ اس کے بعد دوراز کار مال مجھے درکار نہیں۔''(۱)

اپنی اس باطنی امارت، اندرونی دولت پر آپ کو اتنا ناز تھا کہ کبھی کبھی چھلک پڑتے اور فرماتے:

بنی امیہ کے امراء مجھے فقر وافلاس سے ڈراتے ہیں، حالانکہ فقر، تونگری سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔''(۲)

نہ صرف دعویٰ تھا بلکہ عمل اس کی تصدیق کرتا تھا۔ آپ کی روش اس کی شہادت دیتی تھی۔

ربذہ کی مہمان نوازیاں:

مثلاً مختصر سامانوں کے ساتھ بھی آپ کا حال یہ تھا کہ عموماً آپ مسافروں کو اپنے پاس ٹھہرا لیا کرتے، اور جس طرح بن پڑتا اپنی وسعت کے موافق خاطر وتواضع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ ایک جلیل القدر تابعی کا بیان ہے کہ:

''ربذہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں بہت سے مہمان اترے ہوئے تھے، رات کا وقت تھا آپ خود اٹھتے اور جس قدر بکریاں تھیں ایک ایک کر کے آپ نے سب کا دودھ خوب نچوڑ کر نکالا حتی کہ کوئی تھن باقی نہ رہا، اس کے بعد گھر سے جا کر کچھ کھجوریں لے آئے، جو کچھ دودھ تھا اس کو اور کھجوروں کو لے کر مہمانوں کے سامنے حاضر ہو گئے

(۱) حبیب بن مسلمہ صحابی تھے یا تابعی لوگوں کا اس میں اختلاف ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر بارہ سال تھی، بہر حال حضرت معاویہؓ کی ماتحتی اور ان کے اشارے سے رومی علاقوں پر انھوں نے بڑی بڑی مہمیں سر کیں، رومیوں کے ساتھ اسی جہاد کے شغف کی وجہ سے پیار سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو ''حبیب الروم'' کہا کرتے تھے یعنی یورپ والا حبیب، یہی لقب حبیب کا عوام میں مشہور ہو گیا۔ آرمینیہ کی مہم میں وفات پائی اور اسی علاقے میں مدفون ہیں، لکھا ہے کہ ان کا شمار ان لوگوں میں تھا جن کی دعا کبھی رد نہیں ہوئی (تہذیب التہذیب)

(۲) حلیۃ الاولیاء، لأبی نعیم، انساب الاشراف میں بھی اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے۔

اور نہایت دردناک لہجے میں آپ نے ان کو سامنے بڑھا کر فرمایا، کاش!
اس سے بہتر چیز اگر میرے پاس ہوتی تو اسے آپ لوگوں کے سامنے پیش
کرتا۔ مہمانوں کی تعداد چونکہ زیادہ تھی اس لئے نہ تو دودھ ہی کا ایک قطرہ
بچا اور نہ ایک کھجور ہی باقی رہی۔''

راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رات میں کوئی چیز اپنی زبان پر نہیں رکھی (۱)۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور صرف یہی نہیں عموماً آپ کی یہی عادت تھی۔ طبقات میں ہے کہ عیسیٰ بن عمیلہ الفرازی کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے جس نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تھا بیان کیا کہ

"يحلب غنيمة له فيبدأ بجيرانه و أضيافه قبل نفسه."

''اپنی بکریوں کا دودھ نکالتے اور اپنے نفس سے پہلے اپنے پڑوسیوں
اور مہمانوں پر تقسیم کرتے تھے۔''

اور یہ واقعہ تو گزر ہی چکا ہے کہ مہمانوں کو سیر کرنے کی غرض سے آپ نماز میں مشغول ہوگئے، جب ان کا پیٹ بھر گیا، تب نماز سے فارغ ہو کر ان کے ساتھ شریک ہوئے، یہ واقعہ بھی ربذہ ہی کا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملنے کی امید:

الحاصل ربذہ میں آپ کی زندگی نہایت بشاشت اور مسرت سے گزرتی تھی کہ جو آپ کی سچی آرزو تھی، وہ یہاں بخوبی پوری ہو رہی تھی، وہ فرصت میسر آئی جس کے بعد یکسوئی و یک دلی کے ساتھ

بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

سے ان کو کون روک سکتا تھا۔ صاحب ''حلیہ'' محمد بن واسع سے ناقل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ خاص کر بصرہ سے بقصد ربذہ روانہ ہوا، تا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

(۱) طبقات ج/۴، ص/۱۷۴، مطبوعہ لندن

کے ان مشاغل کو آپ کی حرم محترمہ صاحبہ سے دریافت کروں جن میں ربذہ کی زندگی گزاری، بیوی صاحبہ نے ان کی مصروفیت کا صرف اس قدر جواب دیا:

"كان النهار أجمع يتفكر."

''دن بھر تصور و فکر میں گزرتا ہے۔''

لیکن توبہ کے ابتدائی ایام میں جو خدا کی مرضی اور عدم مرضی کے علم حاصل کرنے سے قبل خود اپنے دل سے رات رات بھر اپنی خود ساختہ نماز پڑھا کرتا ہو، اور اتنے انہاک سے پڑھتا ہو کہ آخر میں بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہو، راتوں کو کیا حال ہوگا جب وہ سب کچھ جاننے کے بعد وہاں جانے کے لئے تڑپ رہا تھا جہاں جانے سے سب ڈرتے ہیں۔ امراء (۱) بنی امیہ کے متعلق کبھی یہ بھی فرماتے:

''مجھے قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں، حالانکہ اب زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے مجھے زیادہ محبوب ہے''۔ گویا

مجھے ڈراتے ہو موت سے کیا میں اپنی زندگی ہی سے ڈر چکا ہوں

اور سچ تو یہ ہے کہ جو زندگی ہی سے ڈر گیا پھر اسے کسی چیز سے کوئی کیا ڈرا سکتا ہے؟

پچھلی زندگی آخرت کا خیال ربذہ کے اس عالم خلوت میں آپ پر اس درجہ مسلط تھا کہ آخر میں اس نے جذب کا رنگ اختیار کر لیا تھا، شاید اسی جذبی اثر کا نتیجہ تھا کہ جو ابن سعد

(۱) امراء بنی امیّہ سے مراد دراصل اس موقع پر وہی طبقہ ہے جس نے حضرت عثمانؓ کی نیکیوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خود اپنے آپ کو جو کچھ رسوا کیا ہے۔ کیا ہی مصیبت یہ ہوئی کہ ان کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کی طرف سے ایک خاص طبقہ میں خواہ مخواہ بدگمانیاں پیدا ہوگئیں، انساب لاشراف میں البلاذری نے لکھا ہے کہ مروان اور حارث بن الحکم بن العاص وغیرہ نے عہد عثمانی میں بڑے بڑے رقوم حاصل کئے، گو اس سلطنت گیری کے لحاظ سے وہ چنداں اہمیت نہیں رکھتے تھے، بعضوں کو چالیس پچاس ہزار مل گئے اور جو اسلامی حقوق زکوٰۃ خیرات کے ان پر عائد ہوتے تھے ان سے لاپروائیاں برتنے لگے تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''کنز'' کے قرآنی خمیازوں کی دھمکیاں علانیہ ان لوگوں کو سنانے لگے۔ اسی پر مروان حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سخت مخالف ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان امراء سے یہی لوگ مراد ہیں۔ (دیکھو البلاذری ج/۵، ص/۵۶)

نے آپ سے نقل کیا ہے کہ کبھی آپ یہ بھی فرماتے کہ ”میری پتلی ہونے والی ہڈیاں اور سپید ہونے والے بال ناامید نہیں کرتے کہ میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات نہ کرسکوں گا“۔(۱)

مطلب یہ تھا کہ میرے مرنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ لیکن میرے خیال میں قیامت اس سے بھی زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ اور ممکن ہے عیسیٰ علیہ السلام جن کے نزول کی خبر قرب قیامت میں دی گئی ہے ان سے میری ملاقات ہو جائے۔

الغرض یہاں جو کچھ بھی خیال رہ گیا وہ آئندہ کا تھا۔ نہ دنیا والوں سے زیادہ ملاقات ہوتی تھی نہ ان کے ساتھ کوئی معاملہ پڑتا تھا، البتہ بعض واقعات ربذہ کے بعد بھی پیش آئے جن سے ممکن تھا کہ کوئی فساد پیدا ہو جاتا، لیکن آپ نے جس طرح انہیں ٹالا وہ اپنے اندر عجیب وغریب نتائج رکھتے ہیں، خصوصًا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ناکیں اس سے داغدار اور مجروح اس وقت بھی ہوئی تھیں اور اب بھی مجروح ہیں۔

پہلا واقعہ اور اطاعت عثمانی کی پہلی نظیر:

میں لکھ چکا ہوں کہ ربذہ کے عامل آپ کے زمانہ میں ایک حبشی غلام (مجاشع) نامی تھے، جس طرح دنیاوی معاملات ان کے سپرد تھے، جمعہ وجماعات (۲) کا تعلق بھی ان ہی سے تھا، یہ واقعہ گزر چکا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ آگے بڑھو۔ جس طرح پہلے نماز پڑھاتے تھے اب بھی پڑھاؤ۔ مقصد اقدس یہ تھا کہ اگرچہ تم غلام حبشی ہو لیکن الوالامر خلیفۂ برحق نے تم کو امیر بنا دیا ہے، تو میں بھی تمہیں امیر سمجھتا ہوں جیسا کہ خود بعد کو آپ نے فرمایا:

”کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر حبشی

(۱) جمعہ کی نماز ربذہ میں ہوتی تھی۔ خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھتے تھے۔ کما ذکرہٗ فی الکبیر، رہی یہ بات کہ وہ گاؤں تھا وہاں کس طرح یہ نماز ہوتی تھی، اس کا جواب فقہائے امت کا کام ہے۔ اتنا تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ مرفوع حدیث کا مقابلہ اثر نہیں کرسکتا۔ ممکن ہے کہ اصول حنفیہ پر یہ بھی کہہ دیا جائے کہ ربذہ مصر تھا اس لئے کہ ”کل موضع حل فیه الأمیر فهو مصر“۔ امام محمد کا فتویٰ ہے، اور ظاہر ہے کہ مجاشع یہاں کے امیر تھے۔

(۲) طبقات ابن سعد ج/۴، ص/۱۷۰

غلام بھی مجھ پر امیر بنایا جائے، تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اس کی باتیں سنوں اور اس کی فرمانبرداری کروں۔“(۱)

گویا اس خواب کی تعبیر ربذہ میں آ کر پوری ہوئی اور یہ ایک اتفاقی بات ہے کہ آپ کے ربذہ آنے سے پہلے یہ غلام یہاں کے امیر تھے۔ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے بعد اسے وہاں کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔

اطاعت کا دوسرا واقعہ:

عبداللہ بن سبا کو جب اس کی خبر ملی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت کی بنا پر خلیفۂ اسلام نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام سے مدینہ بلوایا اور کعب احبار سے مناظرہ کرایا۔ حتی کہ انہی وجوہ سے اب وہ گاؤں میں جا کر عزلت گزیں ہو گئے ہیں۔ اس کے کارندوں نے اور بھی نمک مرچ ملا کر اس واقعہ کو غلط آب ورنگ کیساتھ اس کے سامنے ظاہر کیا تو اس کو فورًا خیال گزرا کہ ایسی صورت میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بدظن کرنا آسان ہے، مسئلہ کنز پر نزاع موجود ہے۔ اسی کو کسی عمدہ صورت میں پیش کر کے ان کو مخالفت پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔

چوں کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقدس وورع عام طور پر مسلمانوں میں مسلم ہے، اور خود ان کے ساتھ ایک بڑا قبیلہ غفار کا ہے، کیا عجب ہے کہ ان کو شریک کار بنا لینے کے بعد ہماری سازش مکمل ہو جائے گی، اور جو آگ میں نے تیار کی ہے، اس کے شعلے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے ہاتھ سے اسلامی آبادیوں تک پہنچا دیئے جائیں۔

غرض اسی قسم کے بیہودہ خیالوں کو سامنے رکھ کر اس نے ایک وفد تیار کیا۔ بقول ابن خلدون (۲) سرخیل وفد خود ہی ہوا۔ کوفہ میں اس مفسد وفد کا نظام مرتب کیا گیا، اور یہیں سے ان بدباطنوں کی جماعت ربذہ روانہ ہوئی۔ بطور مہمانی کے یہ لوگ آپ کے دولت

(۱) طبقات ابن سعد

(۲) ابن خلدون ج/۲، ص/۳۹

خانہ پر آ کر ٹھہرے۔ آخر موقع پر ایک شخص نے اس طرح تقریر شروع کی:

''اے ابوذر! اس شخص (عثمانؓ) نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا
(یعنی آپ کے ساتھ اتنی بدسلوکیاں کیں کہ ہم ان کی تفصیل بھی نہیں
کرسکتے) پس کیا آپ تیار ہیں کہ اس کے خلاف آپ بغاوت کا پھریرا بلند
کریں۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جتنے آدمیوں کی آپ کو ضرورت
ہوگی اس کا پورا انتظام کیا جائے گا، آپ صرف جھنڈا بلند کر دیجئے۔''

طبقات میں ان کی تقریر کا صرف اسی قدر حصہ مذکور ہے۔ لیکن یہ مفسدین جس درجہ شاطر وعیّار تھے اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ جو کچھ نقل کیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ باتیں انھوں نے کہی ہوں گی۔

بہرحال ان کے کان منتظر تھے کہ امید کہ صبح لب ہائے ابوذر کی جنبش سے عنقریب طلوع ہونے والی ہے، مگر یہ ان کی بدعقلی تھی۔ انھوں نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی عیاذ باللہ ان بدحواس باختوں میں شمار کیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادتوں پر عبداللہ بن سبا کی افترا پردازیوں کو ترجیح دے کر داماد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون سے رنگین قبا ہوئے، یا جو آج ان ہی مختلف روایتوں کے گورکھ دھندوں میں پھنس کر امت اسلامیہ کے سب سے بڑے حیا پرور انسان پر شرمناک حملے کر رہے ہیں ''مالھم بہ علم ولا لآبائھم کلمۃ تخرج من أفواھھم إن یقولون إلا کذبا''۔ عصرحال کی کج فہمیوں کو بھی سننا چاہئے کہ نامراد جماعت کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے کیا جواب ملا؟ آپ نے ان کی تقریر سننے کے بعد فرمانا شروع کیا۔

''مجھ پر یہ بات ہرگز پیش نہ کرو، دیکھو اپنے بادشاہ کو ذلیل ورسوا
نہ کرو، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جس نے اپنے بادشاہ کو ذلیل ورسوا کیا اس
کے لئے توبہ کا دروازہ بھی بند کر دیا جاتا ہے۔''

خدا کی قسم عثمانؓ مجھے اونچی سے اونچی لکڑی یا بلند سے بلند پہاڑ پر بھی

چڑھا کر اگر پھانسی دے دیں گے تو میں اسے مانوں گا اس کے حکم کے آگے
سر تسلیم خم کر دوں گا، صبر کروں گا اور خدا سے اس صبر پر ثواب کی امید رکھوں گا۔
میں سچ کہتا ہوں اگر عثمانؓ ایسا کریں گے تو میں اپنے لئے اسی کو بہتر سمجھوں گا۔
اسی طرح اگر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آسمان کے اس دروازے سے اس
کنارے تک مجھے حکم دیں، یا جہاں سے آفتاب اُگتا اور جہاں جاکر ڈوبتا ہے
اس کے درمیان میں مجھے چلنے کا امر کریں تو میں اسے مانوں گا، سنوں گا،
بجالاؤں گا اور صبر کروں گا اور اس صبر پر خدا سے ثواب کی امید رکھوں گا اور اپنے
حق میں اسی کو بہتر خیال کروں گا، اسی طرح اگر وہ مجھے گھر میں رہنے کا حکم دیں
گے تو ٹھیک جس طرح گزشتہ باتوں میں میرا حال ہوا، اسی طرح اس حکم کو بھی
مانوں گا، سنوں گا، اس وقت بھی ان کا مطیع وفرماں بردار رہوں گا اور اسی کو اپنے
لئے بہت سمجھوں گا، صبر کروں گا اور خدا سے اجر کی امید رکھوں گا۔''(۱)

یہ تقریر جس بلیغ ومؤثر پیرائے میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندرونی جذبات کی ترجمانی کر رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرکشوں کے ہوش اُڑ گئے ہوں گے۔ امید معاونت تو کجا خود انہیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔

اللہ اکبر، جو شخص اونچی سے اونچی لکڑی کی پھانسی کو اور گھر میں رہنے کو برابر خیال کرتا ہو، دونوں فرمانوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہو، اس کی وفاشعاریوں کی کوئی حد ہوسکتی ہے؟

اس تقریر کے پڑھ لینے کے بعد کون دیوانہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ خلیفۂ ثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے صاف نہ تھا۔

ہم نہیں سمجھتے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفائی میں اب اس سے زیادہ اور کیا چیز پیش کریں۔ کیا لفظوں میں اس سے زیادہ اور بھی کوئی بالاتر قوت انسانی ہے جو کسی کی براءت کو اس سے زیادہ اور بھی صاف نکھرے ہوئے رنگ میں پیش کرسکتی ہو۔ ''واللّٰہ

---

(۱) طبقات ابن سعد ج/۴، ص/۱۶۷

علی کل شيء قدیر"۔جن کی نگاہیں تنگ اور ظرف چھوٹے ہیں، ان کو ان زور آور لفظوں کی معاونت سے چاہئے کہ اسے وسیع کریں، الحاصل باغیوں نے ربذہ کے درویش کی جس وقت یہ حالت دیکھی ہکّا بکّا ہو کر رہ گئے اور اسی وقت انھوں نے راہ گریز اختیار کی۔

تیسرا واقعہ:

اس واقعہ کو عوف شیبانیؒ سے امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں۔عوف کا بیان ہے کہ:

ایک شخص تحفے تحائف لے کر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ربذہ آیا جب وہاں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ آپ بقصد حج مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔مسند احمد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ربذہ آنے کے بعد کا ہے، لیکن طبری میں ہے کہ یہ ۲۹ھ کا ہے، جس وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں آئے تھے، اس شخص نے بھی کعبہ کی طرف اپنے اونٹ کی مہار پھیر لی، ان مسلمانوں کے سامنے جو ان کے لئے لایا تھا مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہو گیا، آخر منیٰ کے میدان میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت اسے نصیب ہوئی اور اس وقت سے وہ بھی آپ کا شریک صحبت ہو گیا۔

وہی کہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہی میں تھا کہ یکا یک غل ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ میں بجائے دو رکعتوں کے چار رکعتیں پڑھیں یعنی بجائے قصر کے نمازیں پوری پڑھیں۔

چوں کہ یہ بالکل جدید واقعہ تھا(۱) اس لئے صحابہ میں برہمی پھیل رہی تھی، عبداللہ

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب چار رکعت پڑھی تو عبدالرحمٰن بن عوف نے آ کر پوچھا ہے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا کہ یمن کے کچھ لوگ اور بعض گنوار بدؤں نے اپنے ملکوں میں جا کر مشہور کر دیا کہ نماز مقیم کے لئے بھی دو دو رکعتیں ہیں یعنی دو ظہر کی اور دو عصر کی، کیوں کہ امیرالمؤمنین یوں ہی پڑھتے ہیں۔یہ ایک سخت غلط فہمی ہے اس لئے اقامت کی نیت کر کے چار پڑھ لی اور وجہ اس اقامت کی یہ ہے کہ میں نے منیٰ میں نکاح کر لیا ہے اور یہاں سے طائف قریب ہے جہاں میری جائداد بھی ہے اس کی نگرانی کے لئے بھی اقامت کر لیتا ہوں حضرت عبدالرحمٰن نے اس پر معارضہ کیا جس کا جواب حضرت عثمانؓ نے دیا۔یہ میری رائے ہے، حاصل یہ ہے کہ اقامت کی نیت سے جب آدمی مقیم ہو جاتا ہے تو حضرت عثمانؓ پر اعتراض ہی کیا باقی رہتا ہے۔

بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک طرف آپس میں مشورے کر رہے تھے، بار بار عبداللہ بن مسعودؓ کی زبان پر یہ فقرہ آتا تھا۔

"فلیت حظی من اربع رکعات رکعتان فتقبلان." (۱)

''کاش چار رکعتوں کے ثواب سے مجھے دو ہی رکعتیں جو خدا کے نزدیک مقبول ہیں وہیں ملتیں۔''

لیکن خلیفہ وقت کی اطاعت کو ان کی دقیق روحانی بصیرتیں اس قسم کے مسائل پر ترجیح دے چکی تھیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبدالرحمٰن کو جو آخری جواب دیا تھا وہ یہ تھا:

"الخلاف شر قد بلغني أنه صلى أربعا فصليت أربعا."

''خلاف بری بات ہے مجھے خبر ملی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے چار رکعتیں پڑھی ہیں اس لئے میں نے بھی ۴ رکعتیں پڑھیں۔''

ہمارے مجذوب سرمست درویش کو بھی جب یہ خبر ملی، تو ابتداء میں آپ پر غصہ طاری ہو گیا اور سخت غیظ میں جھلا کر کہنے لگے:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں نماز پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ دو رکعتیں پڑھیں (یعنی قصر کیا) پھر ابوبکرؓ نے بھی دو ہی پڑھیں، عمر فاروقؓ کے وقت بھی یہی ہوتا رہا۔''

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے کچھ سخت الفاظ بھی استعمال فرمائے، خیر جو کچھ ہوا ہو، ہمیں دیکھنا تو یہ ہے کہ انجام کیا ہوتا ہے اور خود کیا کرتے ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد اٹھے اور اٹھ آپ نے بھی چار ہی رکعتیں ادا کیں (یعنی قصر نہ کیا) لوگوں کو آپ کی اس شورا شوری اور پھر اس بے نمکی پر سخت تعجب

(۱) بخاری

ہوا۔ ایک شخص وہیں بیٹھا ہوا تھا اس نے فوراً پوچھا:

''کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ جس فعل پر آپ ابھی ابھی امیرالمؤمنین کی شان میں سخت سست سنا رہے تھے، کس قدر عجیب ہے کہ کھڑے ہوکر پھر اسی فعل کے خود مرتکب ہوئے۔'' (۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں دو باتیں فرمائیں جو حق نیوشوں کے لئے ایک روشن شمع ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعد ایک سلطان ہونے والا ہے، دیکھو! اس کو کبھی ذلیل ورسوا نہ کرنا! جس شخص نے اس کی ذلت کا ارادہ بھی کیا اس نے اسلام کے طوق کو گردن سے نکال پھینکا۔ اس کی دعا کبھی قبول نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس رخنہ کو جو اسلام کی دیوار میں پیدا کردیا ہے بند نہ کرے اور وہ اس رخنہ کو کبھی بند نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر پھر اس سلطان کی اطاعت وفرماں برداری کی طرف رجوع کرے گا تو پھر ان لوگوں میں وہ شمار کرلیا جائے گا جو اس کی عزت پہلے سے کررہے تھے۔ (۲)

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"أمرنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أن لا یغلبونا علی ثلاث أن تأمر بالمعروف وتنهی عن المنکر وتعلم الناس السنن."

''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ یہ لوگ (خلفاء) تین باتوں پر غالب نہ آنے پائیں۔ امر بالمعروف (یعنی اچھی باتوں کی تعلیم دینے سے) اور نہی عن المنکر (بری باتوں سے لوگوں کو روکنے سے) اور یہ کہ لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز وروش کی تعلیم دینے سے ہمیں نہ روکیں۔''

---

(۱) طبرانی ج/۳، ص/۵۷

(۱) مسند احمد

اس واقعہ سے ذیل کے نتائج بآسانی نکل آتے ہیں:

۱۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف دنیاوی معاملات میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کو اپنے لئے واجب سمجھتے تھے، بلکہ دینی حیثیت سے بھی حضرت عثمانؓ کی رضا کو امور واجبہ پر (کہ قصران کے نزدیک واجب ہے) ترجیح دیتے تھے۔

۲۔ باوجودیکہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ جماعت میں شریک نہ تھے، لیکن محض خیال سے کہ جب خلیفہ نے چار رکعتیں پڑھیں، تو اب ہم پر بھی اس فعل کا کرنا ضروری ہوگیا، آپ نے تنہائی میں بھی اپنی نمازیں پوری کیں۔

۳۔ آپ نہ صرف دنیاوی عزت بلکہ دینی واخروی عزت کو حضرت عثمانؓ کی عزت کے ساتھ وابستہ خیال فرماتے تھے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس واقعہ سے یہ نتائج کیوں نہیں نکل سکتے۔

پس غور کرلینا چاہئے کہ جب ایک مقدس بزرگ صحابی بھی اپنی دینی عزت کا مدار حضرت عثمانؓ کی عزت پر سمجھتا ہے تو جو لوگ نہ صحابی ہیں نہ تابعی ان کی نجات واعزاز کی کیا صورت ہوگی؟ جبکہ وہ اپنی ہر بات میں عثمانؓ پر طعن وشناعت کرنے کو اپنا شیوہ قرار دئے ہوئے ہیں۔

الغرض اس واقعہ کے پیش کرنے سے مجھے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اطاعت کی ایک تصویر اتارنی تھی اور الحمدللہ کہ وہ پوری اور صاف اتری۔

یہ الگ بحث ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایسا کیوں کیا؟ فقہ میں اس بات کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ میرا فرض چونکہ اس قسم کے مسائل کی تفصیل نہیں ہے اس لئے میں اس پر مفصل بحث نہیں کرسکتا۔ ہاں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ کے نزدیک سفر میں قصر ضروری نہ ہو، جیسا کہ شوافع کا مذہب ہے کہ قصر رخصت شرعیہ ہے، عزیمت اور اسقاط نہیں ہے۔'' اسے محض رخصت خیال کرتے ہوں، ہوسکتا ہے کہ دیہات کے گنوار موسم حج میں اس سال زیادہ آگئے ہوں، ممکن تھا کہ اگر ظہر کی آپ دو ہی رکعت پڑھتے تو یہ لوگ گھر جاکر بھی دو پڑھنے لگتے اور سند میں حضرت عثمانؓ کے فعل کو بیان کرتے۔ اس مصلحت عام کا خیال فرماکا آپ نے اگر شریعت ہی کے ایک

قانون سے نفع اٹھایا تو اس میں حرج کیا ہے۔(۱)

سطحی نظروں میں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن جن دلوں میں اجتہادی بصیرتیں ہیں ان کی تحقیق یہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قصر کو واجب سمجھتے تھے اور منیٰ میں اس وقت چونکہ آپ نے سفر کے ارادہ کو مبتدل بقصر کر دیا تھا۔ جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے یہ نہیں کہا کہ سفر میں اتمام بھی جائز ہے، اس لئے میں نے پڑھی بلکہ آپ کی ہر گفتگو سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے کو مسافرت سے نکال کر مقیم قرار دینا چاہتے تھے اور اسی کی وجوہ پیش کرتے تھے۔

اس کے بعد پھر اس معاملہ میں کوئی جان باقی نہیں رہتی اور تمام جھگڑے صرف غلط فہمیوں پر مبنی معلوم ہوتے ہیں، جو اس قسم کے مسئلوں میں عام بات ہے۔

وفات ۳۲ ہجری:

ہجرت کا بتیسواں سال اپنی ہستی فنا کرتے ہوئے اپنے اخیر مہینے ذی الحجہ میں قدم رکھ چکا ہے۔ عرب و عجم کی بے شمار روحیں عشق الٰہی میں سرشار و مست ہو ہو کر مکہ معظّمہ کی وادیوں میں پھیل رہی ہیں۔ عراق کے مسافر ذات عرق کے راستے سے ربذہ کی پُر فضا منزل سے گزر کر "لبیك اللهم لبیك لا شریك لك لبیك" کی دل گداز آوازوں سے ان دبی چنگاریوں کو بھڑکا رہے ہیں، جنھوں نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ کو آتش دان بنا رکھا تھا۔

ربذہ کے سامنے سے جو حاجی مستانہ لباس میں پابرہنہ گزرتا، اگر اور کچھ نہیں کرتا تھا تو کم از کم ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کو ضرور روند ڈالتا تھا۔

خصوصًا اس سال کے تمام ممالک محروسہ اسلام میں یہ اعلان عام طور سے شائع ہو گیا ہے کہ اس سال بھی مدینہ کا روحانی وجسمانی سلطان اپنے حقیقی مالک قدوس کے

(۱) حاشیہ میں لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس مصلحت کو بیان بھی کیا تھا۔

آستانہ پر جبین نیاز جھکانے آئے گا۔ یعنی عام طور پر یہ خبر ملک میں گرم تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حج میں بھی شریک ہوں گے۔

دور کے لوگ بیک کرشمہ دو کار کے اصول کو پیش نظر رکھ کر مکہ اُمڈے چلے آتے تھے کہ حقیقی ومجازی دونوں جمال وجلال کا نظارہ ایک ہی سفر میں ملتا ہے، مختلف ملکوں کے صوبہ داروں، والیوں کے نام بھی پروانے جاری کئے گئے تھے کہ اس سال خدائے واحد کے دربار میں آ کر بیت اللہ کے خادم عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مل جائیں۔

الغرض اس سال کی مختلف خصوصیتوں نے عشق کے بازار کو بہت زیادہ گرم وتیز کر دیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اسی حالت میں ربذہ کے درویش کی آگ بھی جس قدر اشتعال انگیز ہو کر بھبھک رہی ہوگی، اس کی کوئی انتہا نہیں ہوسکتی، نتیجہ یہ ہوا کہ آخر بیماری دل نے کام تمام کیا، مدت سے آہستہ آہستہ سلگنے والی آگ دل وجگر کے ہر ریشہ میں پیوست ہوگئی، جو جسم انسانی تھا وہ از فرق تابقدم انگارہ اور فقط انگارہ ہو کر دہکنے لگا، حتی کہ طاقت رفتار نے ساتھ چھوڑ دیا۔ قوتوں نے جواب دے دیا اور وہ جو کہ سامان سفر میں مصروف تھا بسترِ مرض پر یاس وناکامی کی چند ٹھنڈی آہوں کے بعد اس طرح لیٹ گیا کہ پھر کبھی نہ اٹھا۔

دنیا نے سمجھا کہ کوئی مادی بیماری ہے، لیکن جنھوں نے آپ کے حالات کا مطالعہ ابتدا سے کیا تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ جو چرکا مکہ کے کسی چبوترہ پر لگایا گیا تھا وہ اب گہرا ہو کر بیماری کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، حتی کہ ضعف نے آپ کو اس درجہ مجبور کیا کہ باوجود قرب کے سب سے آگے رہنے والا سرِ بازار آج سب سے پیچھے رہ گیا یا رکھ لیا گیا۔ آپ جس خیمہ میں بیمار ہو کر پڑ گئے اسی کے سامنے سے روزانہ حاجیوں کا قافلہ امنگوں یا ارمانوں کے ساتھ گزرتا اور آپ کے دل پر رہ رہ کے چوٹ پڑتی۔ آرزوؤں کا ولولہ اٹھاتا اور تنِ زار کی کمزوری گراتی، ایک عجیب کشاکش تھی، ہر بُنِ مؤ سے گویا آواز آرہی تھی:

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی اور یاں
طاقت بقدر لذت دیدار بھی نہیں

ضعف کا یہ حال کہ دو قدم چلنا بھی دوبھر تھا اور حسرتوں کی وہ سینہ زوریاں کہ جس طرح بھی ابراہیم کے سر پر چمکنے والی بجلی یا فاران والے فارقلیط کی روح کو منور کرنے والی تجلی ایک دفعہ دل و جان پر کوند جاتی، گزر جاتی۔

لیکن جہاں صرف اپنی خواہشوں کی پابندی ہو، وہاں ان باتوں کو کون پوچھے آہ! کہ جس پردۂ جلال کے ناصیہ پر

"إِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ."

''اللہ تمام عالم سے مستغنی ہے۔''

آتشیں حروف میں لکھا ہوا ہو۔ ''وہاں'' میں یہ چاہتا ہوں کی آواز کون سنتا ہے۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا، لیکن جسے ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) چاہتا تھا، اس نے نہ چاہا۔ پھر کیا مجال تھی کہ ربذہ کا بیمار ایک قدم بھی آگے بڑھ سکتا۔

آخر یہی ہوا کہ بیماری ونقاہت نے مجبور کیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پُرشوکت حج میں شریک نہ ہوسکے۔ کیا کرتے۔ تھک کر ربذہ کے خیمے میں پڑ گئے۔

ربذہ کے باشندے ایک تو یونہی تھوڑے تھے۔ اس پر کل سرکاری آدمی، ان بے چاروں کو کیا علم تھا کہ افق غیب میں کیا مستور ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر سن کر وہاں کے آدمی مکہ معظّمہ روانہ ہوگئے۔

ربذہ بالکل خالی ہوگیا۔ زندہ نفوس میں وہاں صرف آپ کا ایک جسم بیمار اور آپ کے اہل وعیال رہ گئے اور بس! ادھر مناسک وزیارت کے دن بھی قریب آچکے تھے کہ مسافروں کی آمد ورفت کا سلسلہ بھی بند ہوگیا۔ سڑک بھی سنسان پڑی تھی۔ (۱)

سبحان اللہ! کسی کی زبان سے کچھ نکل گیا تھا، فقط اس کو پورا کرنے کے لئے کیا کیا سامان ہورہے ہیں؟! ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق سے بلوائے جاتے ہیں۔ مدینہ سے ربذہ بھیجے جاتے ہیں۔ حج کے بہانے سے ربذہ خالی کیا جاتا ہے اور آہ کہ وقت بھی وہ رکھا

(۱) استیعاب ابن عبدالبرؒ ج/۴، ص/۸۳

جاتا ہے کہ راہ کا راہی اور سڑک کا کوئی مسافر میسر نہ آسکے

ایں ہمہ غوغا برائے نیم جانے می شود

کہ "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" کی قوتوں کو مانو، اور اس کے آگے سر بسجود ہوجاؤ!

خیر جب سارا سامان تیار ہوگیا، دیکھ لیا گیا کہ شرائط جو زبان سے ادا ہوئے تھے، ٹھیک پورے ہوچکے ہیں کہ یکا یک اسی ہُو کے میدان میں جہاں چند جانوں کے علاوہ دور دور تک شاید کوئی پر مارنے والا پرند بھی موجود نہ تھا۔ ربذہ کی صوفی خیمہ والی تیماردار عورت (یعنی ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حرم محترمہ نے) ایک چیخ ماری، خدا جانے انھوں نے کیا دیکھا اور کس کو دیکھا، مگر فوراً ہچکیوں میں ملی ہوئی نرم آواز میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بستر سے آواز آئی۔

''تم کو کس نے رلایا؟''

بیوی صاحبہ: تمہارا وقت قریب آگیا ہے، اور میں عورت ہوں۔ اتنی قوت نہیں کہ اس پتھریلی زمین میں تمہارے لئے..... کھود سکوں گی، اور آہ! کہ گھر میں ایک دھجی نہیں جس میں تمہیں لپیٹ کر..... کرسکوں گی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر سکون واطمینان کے ساتھ ان سامانوں کا جو اصلی منشا تھا، اس کو ان الفاظ میں ظاہر فرمانے لگے:

''مت رو، اس لئے نہ رو، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک جماعت کے ساتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قطعاً تم لوگوں میں سے ایک شخص چٹیل سنسان وادی میں جان دے گا، جس کے جنازے میں مسلمانوں کا ایک گروہ آکر شریک ہوگا اور میں اس دن سے اندازہ کررہا ہوں کہ وہاں پر جتنے لوگ تھے ان میں سب کے سب کسی شہر یا آبادی میں وفات پاچکے اور اب صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں، جو اس وقت اس وادی بے کسی میں دم توڑ رہا ہوں، بس جا! راستہ پر جاکر بیٹھ، مسلمانوں کی

جماعت ضرور آ رہی ہوگی کیوں کہ خدا کی قسم نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں
اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے۔''

بیوی صاحبہ: خدا جانے اب لوگ کہاں سے آئیں گے، حاجیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ راستہ بالکل سنسان پڑا ہے۔

آپ نے فرمایا: تم جاؤ تو سہی، جا کر دیکھو بھی تو!

سمجھنے والوں کو اب جا کر معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس سے پہلے جو کچھ ہوا تھا

سر دوستاں سلامت بہ تو خنجر آزمائی

کے لئے ہو رہا تھا۔ غفار کا بہادر جوان صید گاہ عشق میں کودا تھا اس پر جو تیر چلایا گیا تھا، آج جا کر نشانے پر بیٹھتا ہے۔

روتی دھوتی یاس و ناکامی کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ اٹھیں اور سڑک کے کنارے آ کر بیٹھ گئیں۔ مایوسانہ نگاہیں اُفق تک پھیل کر کسی چیز کو انتہائی بے کسی کے ساتھ ڈھونڈ رہی تھیں اور پھر ناکامیوں کے ہجوم میں واپس آ جاتیں۔ یہ سلسلہ آمد و رفت کا اسی طرح قائم تھا کہ یکا یک مبتداء کے چہرے سے نقاب الٹا گیا اور اس کی خبر گرد و غبار کی صورت میں ایک جانب سے آ گئی۔ بیوی صاحبہ کا اس وقت کیا حال ہوا ہوگا، لکھنے کی ضرورت نہیں، سوچنے کی ضرورت ہے۔

پردہ چاک ہوتا ہے اور اندر سے گردنیں اٹھائے اونٹوں کی ایک قطار انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ نمودار ہوئی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ اس طرح اڑے چلے آ رہے تھے کہ گویا بھاری پرندوں کی ٹولیاں زناٹے بھرتی ہوئی آ رہی ہیں۔ عربی عماموں والے شتر سوار گرد و غبار میں ڈوبے ہوئے اس پر سوار تھے۔ آناً فاناً وہ لوگ بیوی صاحبہ کے سر پر پہنچ گئے۔ ان لوگوں کی نگاہ یکا یک آپ پر پڑی۔ اس عالم تنہائی میں ایک عورت کا اس طرح کھڑا رہنا حیرت میں ڈال دینے کے لئے کافی تھا۔ نکیلیں ڈھیلی کر دی گئیں، اونٹ روک دیئے گئے۔ جو آگے تھا اس نے آپ کو مخاطب کر کے پوچھا۔

''بیوی صاحبہ آپ کیوں کھری ہیں، آپ پر کیا حادثہ گزرا؟''

بیوی صاحبہ: ''مسلمانو! ایک آدمی بے چارہ مر رہا ہے خدا کے لئے اس کے دفن کا سامان کرو۔''

اس کے بعد جو جملہ آپ کی زبان سے نکلا، دل کے ٹکڑے اڑا دیتا ہے۔ کلیجہ پاش پاش ہو جاتا ہے۔ بے نیاز کی بے نیازیوں کا مرقع کچھ اس طرح آنکھوں کے سامنے عریاں ہوتا ہے کہ دل بیٹھا جاتا ہے، اللہ اکبر، ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راتوں کو پیشانی گھس گھس کر صبح کر دینے والا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آہ!، کہ وہی ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس نے عشق و سرمستی میں عمر کاٹ دی، توحید و سنت کی اشاعت میں دربدر پھرنے والا ابوذر! محض آسمانی محبوب کی رضا جوئی میں دولت و امارت سے کنارہ کش ہونے والا ابوذر! صرف اسی کی پوجا کے لئے آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلی پکھیرو کی طرح زندگی گزارنے والا ابوذر!۔ آہ کہ وہی ابوذر، آج ایک جنگل میں جان دے رہا ہے اور اس طرح دے رہا ہے کہ ان کی بیوی، اللہ اللہ! مسافروں کے سامنے اس لئے کھڑی ہیں کہ ان کے کفن کے لئے بھیک مانگیں۔

غنی مطلق کے استغنائے مطلق کی یہ کارفرمائیاں ہیں، اس روحانی بادشاہ کی بیوی کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں اور مقربوں اور صدیقوں کا زہرہ آب ہوا جاتا ہے۔

''اس بے چارے مسلمان کے پاس کفن نہیں ہے، خدارا ان کے
کفن کا بھی سامان کرو۔ خدا کے یہاں اجر پاؤ گے۔''

شتر سوار نے یہ پوچھا کہ وہ کون آدمی ہے ''ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔''

یہ سن کر ہوش اُڑ گئے، حواس خبط ہو گئے، کہرام مچ گیا، سننے والوں نے شور برپا کر دیا، غل تھا کہ

وہ! ان پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں، وہ! ان پر ہمارے ماں
باپ قربان ہوں۔''

اونٹوں کی پیٹھیں خالی ہو گئیں، کوڑے ان کی گردنوں میں لٹکا کر چیختے ہوئے

گریاں ونالاں، افتاں وخیزاں مریض کی طرف دوڑے۔(۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیوی کو ادھر بھیج کر اپنی بچی کو پکارا اور فرمایا:

''بیٹی (۲) ایک بکری ذبح کرلو اور فوراً اس کے گوشت کو آگ پر
چڑھا دو، گھر میں مہمان آرہے ہیں۔ جب وہ مجھے دفن کرلیں تو تم ان سے
کہنا کہ ابوذر نے آپ لوگوں کو خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک کھانا نہ
کھالیں، اپنی سواریوں پر سوار نہ ہوں۔''

اس کے بعد فرمایا کہ مہمانوں کی ایک جماعت آنے والی ہے، جو کھاتی پیتی نہیں، لیکن خوشبو سونگھتی ہے۔ ایک نافہ مشک پڑا ہوا ہے، اسی کو گھس کر پانی میں لاؤ اور تمام خیمہ پر اسے چھڑک دو، عنقریب وہ آنے والے ہیں۔

روح جسم کو چھوڑ رہی ہے۔ سکرات کی حالت طاری ہے۔ لیکن اس وقت بھی جو خیال عملی صورت اختیار کررہا ہے وہ وہی ہے جو میں لکھ چکا ہوں کہ علم عمل پر منطبق ہوجائے۔ خلیل ابوذر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بتایا تھا کہ مہمانوں کا اکرام کیا کرو۔ پس گو جان نکل رہی ہے، لیکن جو قول اس میں منجذب ہوگیا تھا اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

خیر یہاں تو یہ سامان ہورہے ہیں، اتنے میں آہ وبکا کی غوغا میں شتر سواروں کی جماعت خیمہ کے اندر آگئی، مسلمانوں کی اس جماعت کو دیکھ کر جاں بلب ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن نے گویا ایک جھرجھری سی لی، یکا یک حجۃ الوداع کی آخری وصیت نبویہ صلی اللہ علیٰ صاحبہا۔

"ألا فليبلّغ الشاهد الغائب."

''دیکھو جو یہاں موجود ہے وہ غیر حاضر لوگوں کو میرا قول
پہونچائے۔''

(۱) یہاں تک کے واقعات طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہیں، مسند احمد وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔
(۲) تاریخ طبری ج/۵، ص/۸۱ مطبوعہ مصر

موت کی تمام سختیوں پر غالب آگئی، ان لوگوں کو دیکھ کر فرمانے لگے:

تمہیں خوشخبری ہو، تم لوگوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ایک مژدہ سنا گئے ہیں (یعنی فرمایا تھا) کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آپ
کے کفن ودفن میں شریک ہوگی۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تصدیق کی کہ فلاں شخص مسلمان ہے یا فلاں جماعت مسلمانوں کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ جاں بخش گرانمایہ مژدہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ اس کے بعد ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''ایک اور مژدہ سنو! میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے
کہ جن دو مسلمانوں کے درمیان دو بچے مرگئے ہوں اور ان کی موت پر
انھوں نے صبر سے کام لیا ہو، اور صبر پر ثواب کی امید لگائی ہو تو یہ دونوں
ہمیشہ کے لئے آگ کے شعلوں سے جدا ہوگئے۔''

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ حدیث بیان کی عموماً اس پر برانگیختہ کرنے والا تبلیغ کا جذبہ دیرینہ تھا، تاہم یہ بات البتہ قابل غور ہے کہ آپ نے خاص کر اسی روایت کو یہاں پر کیوں بیان کیا۔ میں اس کا قطعی جواب تو نہیں دے سکتا پھر بھی قرائن وقیاسات کا مقتضیٰ ہے کہ آپ کو یہ بھی جتانا منظور تھا کہ دیکھو ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنیا سے جاتا ہے مگر اپنے افعال واعمال پر بھروسہ کرکے نہیں جاتا، اپنے صدقات وخیرات پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد نہیں کرتا۔ ان چیزوں میں سے اس کو کسی پر غرہ نہیں، کسی پر بھروسہ نہیں۔

ہاں صرف ایک آس ہے کہ اس کے چند بچے مرچکے ہیں، ارحم الراحمین شاید اسی کو بخشائش ومغفرت کا ذریعہ بنادیں۔ فقط ایک یہی چیز ہے کہ جو ممکن ہے کہ رحمت ایزدی کو اس کی طرف متوجہ کرسکے، اور اسی وقت پر کیا موقوف ہے بسا اوقات لوگوں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا:

"واللّٰه لود دت أن اللّٰـه عز وجل خلقني يوم خلقني
شجرة تعضد وتو كل ثمرها."

''خدا کی قسم میرے دل کی یہ آرزو ہے کہ کاش حق تعالیٰ نے مجھے
جس دن پیدا کیا (بجائے آدمی کے اگر میں ایسا درخت بن کر پیدا ہوتا جو
کاٹ دیا جاتا ہے (اور جب تک کٹتا نہیں) لوگ اس کے پھل کھاتے ہیں۔''

اور یہ تو ایک صوفیانہ نکتہ ہے کہ موت سے پہلے جس قدر خشیت وخوف خدا اپنے دل پر غالب کر سکتے ہو کر لو۔ پر جب موت کی گھڑیاں سر پر آجائیں اس وقت بیم ودہشت کو سینے سے باہر نکال کر امید ونجات وفوز رحمت وغفران سے دل کو لبریز کر لو، شیخ المجاذبہ اس وقت اسی شغل میں مصروف ہیں۔

اس کے بعد آپ کے دل سے ایک شورش انگیز، روح فرسا، حوصلہ گُسل آواز اٹھی اور بصد حسرت ویاس اٹھی، صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے کاش کہ میرے پاس اتنے کپڑے ہوتے کہ میں اس میں سما کر
اسے کفن بنالیتا۔ تو پھر میں اس کے علاوہ کسی کفن کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔''
مگر..... (یعنی جو خدا کی مرضی یہی ہے کہ اپنے کفن میں لپیٹا نہ
جاؤں، اور آپ لوگ اپنا کفن دیں، اب آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں،
خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے جو شخص بھی کفن دے وہ نہ تو کسی صوبے کا والی ہو
نہ عریف (۱) اور نہ ڈاکیہ ہو۔''

اتفاق تو دیکھو کہ اس جماعت میں جتنے آدمی تھے، قریب قریب ہر ایک ان عہدوں میں سے کسی ایک پر ممتاز تھا۔ صرف ایک انصاری جوان البتہ ایسا تھا جس میں یہ باتیں نہیں تھیں۔ وہی بول اٹھا کہ مجھ میں آپ کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور میرے تھیلے میں دو چادریں بھی نئی رکھی ہیں۔ جن کے سوت میری ماں کے ہاتھ نے کاتے ہیں۔ بعض

(۱) اعراف ایک جماعت کے اس نمائندے کو کہتے ہیں جو حکومت کے سامنے جماعت کا ذمہ دار ہو۔

روایتوں میں ہے کہ ان چادروں کو میری ماں نے بنا ہے اور ایک چادر یہ ہے جو میرے بدن پر پڑی ہے۔ ملا کر تین کپڑے ہو جاتے ہیں جو کفن کے لئے کافی وافی ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

''ہاں تم میرے حسب منشاء ہو، بس انہی کپڑوں میں مجھے کفنانا۔''

اس گفتگو کے بعد اور کیا کیا باتیں ہوئیں، مؤرخین ان سے ساکت ہیں۔ ہاں، طبقات ہی میں ایک اور روایت موجود ہے، جو بظاہر بلکہ یقیناً اس روایت کے مخالف ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس تضاد پر تنبیہ بھی کی ہے اور بغیر کسی جواب کے آگے نکل گئے ہیں۔

لیکن میرے نزدیک راویوں سے اس میں چوک ہوئی ہے۔ اَقرب اِلی الصحت اس کی ترتیب یوں ہوتی ہے کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا: کہ

''مجھے نہلا دھلا کر کفن پہنا کر سڑک پر لے جا کر ڈال دینا اور
دیکھتے رہنا۔ سب سے پہلے سواروں کی جو جماعت گزرے ان کو ٹھہرا کر کہنا
کہ یہ ابوذر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ تم لوگ اس کے دفن
میں میری مدد کرو۔''

۸/ذی الحجہ ۳۲ھ ہجری:

"إنا للّٰـه وإنا إليه راجعون"، خدا کی ہر چیز خدا ہی کی طرف جانے والی ہے۔

آخر وہ وقت عظیم آ گیا۔ آسمانوں سے فرشتے اتر پڑے اور اس خستہ ونزار سوختہ وبریاں جان کو جس نے خدا جانے اس عنصری دور میں نشیب وفراز عالم کے کتنے حوادث دیکھے اور خود اس قفس خاکی میں بند ہو کر کیا کیا، کیا تھا۔

اسی کو لینے کے لئے۔ دنیاوی مخمصوں سے نجات دینے کے لئے، قدسیوں کی جھرمٹ میں موت کا فرشتہ مشک بیز خیمہ میں اپنے میزبان کے پاس پہنچ گیا۔

حجابات اٹھنے لگے، ان دیکھی چیزیں آنکھوں کے سامنے چلتی پھرتی نظر آنے

لگیں۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ٹوٹی ہوئی آواز میں دنیاوالوں کو اس آخری لفظ سے مخاطب فرمایا: ’’قبلہ کی طرف میرا رخ کردو!‘‘

اس آخری حکم کی آخری تکمیل کردی گئی اس کے بعد خلوص وسچائی کے اندر ڈوبے ہوئے الفاظ فضائے خیمہ میں اس طرح گونجے۔

”بسم اللّٰہ وعلی ملّۃ رسول اللّٰہ [صلی اللّٰہ علیہ و سلّم].

ان پاک آوازوں کے ساتھ خاک آب وآتش وباد کے کرے ایک تاباں روشنی اور مقدس تعلق سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے۔ سراج منیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے دمکنے والا ماہتاب ٹھیک آٹھ ذی الحجہ کو ربذہ کے حوالی اُفق میں غروب ہوگیا۔ ”إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون“ نفس مطمئنہ ”فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی“ کی صدائے روح پرور زمین سے اُکھڑی اور جہاں بلائی گئی پہنچ گئی۔ جس نے اپنے کو خدا کے لئے بنا دیا تھا وہ نہایت امانت کے ساتھ پیمان وفا کو پورا کرتے ہوئے جلال وجمال کی مستور کوششوں میں غرق ہوکر جس کے لئے تھا اسی کے پاس چلا گیا۔

وما کان قیس هلکه هلك واحد

ولكنه بنیان قوم تهد ما

مجذوبوں کا سردار رئیس الطائفہ، فقیری کی ایک جدید یادگار چھوڑ کر دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا۔

جنازہ:

آنکھیں بند کی گئیں، انگوٹھے باندھے گئے۔ غسل دینے والوں نے نہلایا۔ انصاری نوجوان نے کپڑے نکال دیئے اور اس جسم کو جس نے اسلام کے بعد خدا کی مرضی میں اپنی خواہشوں کو جذب کردیا تھا۔ ایک غیر کے کپڑے میں کفنایا گیا۔ حسب وصیت آپ کا جنازہ اٹھایا گیا اور عام گزرگاہ پر لاکر رکھ دیا گیا۔

ادھر کوفہ کے استاذ المسلمین، معلم الامت، فقیہ الاسلام حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ

عنہ عمرہ کا احرام باندھے مع ایک جماعت کے مکہ مکرمہ کے ارادے سے تشریف لا رہے تھے۔

آپ کو اس المناک سانحہ کا علم تھا یا نہیں۔ مجھے کیا معلوم۔ تاہم ظاہر حال یہ تھا، کہ آپ نہایت تیزی کے ساتھ اپنے اونٹ کو بھگاتے ہوئے لا رہے تھے، قریب تھا کہ جس کا جنازہ بے کسی کے ساتھ راستہ پر پڑا ہوا تھا وہ سواری کے نیچے آجائے۔ لیکن یکایک آپ ٹھٹھک گئے۔ جنازہ کو اس طرح پڑا ہوا دیکھ کر اپنے اونٹ کو روک لیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو بھی ٹھہرالیا۔ لوگ سڑک کے نیچے آنے والوں کا انتظار کررہے تھے ان لوگوں کو دیکھ کر سامنے آگئے اور کہا۔

’’ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کے دفن میں ہم لوگوں کی مدد کیجئے۔‘‘

ایک زبردست دھماکہ تھا، جس نے اچانک ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح میں زلزلہ ڈال دیا۔ ابن البرؒ کی روایت ہے کہ آپ نے ایک چیخ ماری اور مجنونانہ اپنے اونٹ سے اتر پڑے۔ روتے جاتے تھے اور حالت وارفتگی میں آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے میرے دوست، میرے بھائی اخیر میں فرماتے:

’’مبارک ہو تم کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ ابوذر اکیلا ہی چلتا ہے۔ اکیلا ہی مرے گا، اکیلا ہی اٹھے گا۔‘‘

حتی کہ کم از کم مرنے والا اگر اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جاتا تو اپنے گھر کا کفن یقیناً لے جاتا ہے۔ لیکن ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کا یہ عالم ہے کہ کفن بھی اس کے ساتھ اپنا نہ تھا۔ لوگوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز کی درخواست کی، جنازہ آگے رکھا گیا۔ اس وقت کا نظارہ کتنا عظیم الشان اور دل ہلا دینے والا نظارہ ہوگا۔ سامنے اس کا جنازہ رکھا ہوا ہے جو اپنے محبوب سے اسی طرح ملنے جارہا ہے جس طرح اسے چھوڑ کر آپ تشریف لے گئے تھے۔

جنازہ کا امام وہ شخص ہے جس کی مرضی دنیا کے سب سے بڑے آدمی کی مرضی قرار دی گئی اور جن کے عہد وعلوم پر اعتماد کرنے کی وصیت خدا کے آخری پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ (۱)

(۱) بخاری، حدیث کی دوسری کتابوں میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ مناقب مذکور ہیں، تفصیل کے لیے دیکھئے میری کتاب ’’تدوینِ فقہ‘‘۔

اورصفوں میں مبشرین کی وہ جماعت ہے جن کے اسلام کی تصدیق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی۔ اور جن کا بیشتر حصہ ان لوگوں پر شامل تھا۔ جن کے ملک سے عرب ممالک کے نبی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی خوشبو آئی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ پہلا گروہ کل یمانیوں پر مشتمل تھا۔ ابن اثیر نے دونوں گروہوں کے آدمیوں کے ناموں کی تفصیل بھی لکھی ہے۔ میں بھی ان کی تفصیل اسی سے نقل کرتا ہوں:

''حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، اسود بن یزیدؓ، علقمہ بن قیس نخعیؓ، مالک بن اشتر نخعیؓ، طلحال جنتیؓ، حارث بن سوید تمیمیؓ، عمر بن عتبی السلمیؓ، ابن ربیعہ سلمیؓ، ابوالفرز تمیمیؓ، ابورافع مزنیؓ، سوید بن شعبہ تمیمیؓ، یزید بن معاویہ تمیمیؓ، اخاالقرثع الضبیؓ، اخو معضد الشیبانیؓ۔'' (۱)

الغرض میدان میں بصد بیکسی جو دم توڑ رہا تھا، محض اس کی خاطر تھی کہ کوفہ کی زمین ہلائی جاتی ہے۔ فقیہ الاسلام، معلم الامت، کو زبردستی کھینچ کر جنازہ پر لا کھڑا کیا جاتا ہے، تا کہ جاننے والے جانیں، خدا کے لئے جو مرتا ہے خدا اس کے لئے کیا کچھ کرتا ہے۔

مجھے بار بار حیرت ہوتی ہے کہ حج کا موسم جب ختم ہو رہا ہے، ایام حج بھی گزر رہے ہیں، ایسے وقت میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکہ آنا ایک محض بے موقع سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ان کو اگر آنا تھا پھر خواہ مخواہ چند دنوں کے لئے انھوں نے حج کو کیوں چھوڑا، میں اس معمہ کو بالکل نہیں سمجھ سکا۔ پھر اس پر ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا کہ: ''دیکھتے رہنا کوئی آتا ہوگا'' عجیب اسرار ہیں جو علت ومعلول کے سلسلہ میں کسی طرح درج نہیں ہوتے۔ رہ رہ کر میری زبان پر یہ مصرعہ جاری ہوتا ہے'' کہ:

(۱) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ عجیب خصوصیت ہے، عام طور پر لوگوں کی تمنا ہوتی ہے کہ میرے جنازے کی نماز کوئی عالم دین پڑھاتا۔ لیکن قدرت نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اسی آرزو کو عجیب طرح پورا کیا کہ اسلامی دینیات کے زیادہ معتبر ترین شکل یعنی ''حنفیت'' جس صحابی اور تابعیوں کے ذریعے سے امت تک پہنچی ہے اس فقہ کے تینوں امام یعنی عبداللہ بن مسعودؓ، علقمہ اور اسود سب اس میں شریک ہیں ان بزرگوں کے صحیح مقام اگر جاننا چاہتے ہو تو میری کتاب ''تدوین فقہ'' میں دیکھو۔

اے زائرِ حرم غرض زیں طواف خانہ چیست

نماز کے بعد جنازہ اٹھا۔ کن کاندھوں پر اٹھا اور کس کا اٹھا، چشم بصیرت دیکھے، اور رشک وغبطہ کی موجیں دلوں سے اُچھل اُچھل کر نجات کی راہیں ڈھونڈنے والوں کو تڑپائیں۔

سب سے پہلی منزل کے دہانے پر غفار کے سب سے بڑے انسان کو لایا گیا۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور لوگوں کے ساتھ قبر میں اترے، اُتر کر اس سرچشمۂ صدق ومانت کو جس سے زیادہ سچی زبان والے انسان پر آسمان نے کبھی سایہ نہیں ڈالا تھا، اور نہ جس سے زیادہ صدیق وراست باز لہجہ کو زمین نے اپنی پشت پر کبھی اٹھایا تھا۔ ربذہ کی ایک کنج عافیت اور شکم زمین میں ہمیشہ کے لئے مستور ومخفی کر دیا گیا اور وہیں آج تک موجود ومودّع ہے، عام زیارت گاہ ہے۔ پس جو تنہا ہی چلتا تھا تنہا ہی رہتا تھا۔ وہ تنہا ہی عرصۂ بلادِ آزمائش سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا۔ اور ربذہ کے صحرا میں تنہا ہی سویا ہوا ہے تا ایں کہ جب اٹھنے کا دن آئے تو وہ اس دن بھی تنہا ہی اٹھے۔

حقیقی جذب وسرمستی کا چراغ گو اس کے بعد گل ہوگیا۔ لیکن اس کے بعد بھی جہاں کہیں اس کی روشنی پائی گئی یا اس وقت بھی پائی جاتی ہے وہ اسی کے فیض ریز شعاعوں کا نتیجہ ہے اور آئندہ عیسوی زہد ورع کے ہدی محمدی علیٰ صاحبہا اَلفَ اَلفُ صلوٰۃٍ وتحیۃٍ کے ساتھ جہاں کہیں بھی ہو وہ اسی اجتماع کا اثر جاری ہے ''فرضی اللّٰہ تعالیٰ عنه وعن الّذین اتبعوہ بإحسان.''

حضرت ابن مسعودؓ کی روانگی اور آپ کے اہل وعیال کا انتظام:

الغرض قضاوقدر نے جو کچھ چاہا وہ ہوا۔ دفن کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے رفقاء کے ساتھ باچشم تر خیمہ میں آگئے۔

بیوی صاحبہ اور آپ کی یتیم صاحبزادی صاحبہ وہاں موجود تھیں۔ آپؓ نے تسلی وتشفی کے کلمات ان کو کہے۔ خود بھی سنبھلے، ان کو بھی سنبھالا، جب گونہ سکون پیدا ہوگیا تو چلنے

کے ارادے سے اٹھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی نے پوچھا، کہ کہاں تشریف لے چلے، ابّا نے وصیت کی ہے اور خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ لوگ کچھ کھانہ لیں سوار نہ ہوں انھوں نے اپنی زندگی میں بکری ذبح کرا کے پکنے کا حکم دے دیا تھا جو پک کر رکھی ہوئی ہے۔

یہ فرما کر کھانا پیش کر دیا، کھایا کیا جاتا، لیکن مرنے والے کے اس خلوص کو دیکھ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنگ رہ گئے۔ اور ہونا چاہئے تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر اس دم بھی عمل کیا تھا، جب دنیا میں وہ اپنی آخری سانس پوری کر رہے تھے، تا کہ یہ دعویٰ کہ ''میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ملوں گا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو چھوڑا ہے''، عملی طور پر مدلل ہو جائے۔

الغرض جو کچھ کھایا جا سکا کھانے والوں نے کھایا۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا کیا؟ طبری نے اس کے متعلق دو روایتیں درج کیں ہیں۔ ایک میں یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام اہل و عیال کو ساتھ لے لیا اور مکہ معظّمہ میں جا کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے کر دیا۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ نہیں، ان لوگوں کو تسلی دلا سا دے کر آپ اسی وقت مکہ معظّمہ روانہ ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس جانکاہ حادثے کی خبر دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت صدمہ ہوا، اور بجائے اصلی راستہ کے آپ مدینہ ربذہ کی طرف سے لوٹے، راستہ میں ربذہ میں اترے اور تعزیت وغیرہ کر کے سب کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آئے۔

الغرض خواہ یہ ہو یا وہ ہو اس پر دونوں روایتیں متفق ہیں کہ:

"ضمه عثمان إلى أهله."

''حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بال بچوں کو اپنے اپنے بال بچوں کے ساتھ ملا لیا۔''

"فجزاه الله عني وعن المسلمين خير الجزاء"۔ پھر دنیا نے ختم نبوت کے

فیض صحبت کے آثار کو، سرشاری و ہشیاری، بے کاری و باکاری، خواب و بیداری نیستی و ہستی کی اس عجیب ترکیبی وجود کو کبھی نہیں دیکھا۔

حیدر کرار (کرم اللہ وجہہٗ) کے تلمیذ امام فن نحو حضرت ابوالاسود دُوَیلی نے سچ فرمایا تھا:

"زرت أصحاب النبي صلّى الله عليه و سلّم فما رأيت لأبي ذر شبيها."

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو میں نے دیکھا، لیکن ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا تو کسی کو نہ دیکھا۔'' (۱)

المغر ور بالأ مانی

مناظر احسن گیلانی غفر اللہ لہ

---

(۱) مسند احمد